

تراویح کے اہم مسائل

نماز تراویح سے متعلق چند بنیادی اور اہم مسائل
موجودہ لاک ڈاؤن (Lockdown) کے حالات میں
چند مجبوری والی صورتوں کا حکم

مؤلف و مرتب
مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufuran.org

(جملہ حقوق بحق ادارہ غفران محفوظ ہیں)

تراویح کے اہم مسائل

نام کتاب:

مفتی محمد رضوان خان

مصنف:

صفحات:

طباعت اول:

ملنے کے پتے

فہرست

صفحہ نمبر

مضامین



6	تمہید (من جانب مؤلف)
7	تراویح کے اہم مسائل
//	”تراویح“ کا مطلب
//	”احیاء اللیل“ اور ”تہجد“ کا مطلب
8	”تطوع“ اور ”وتر“ کا مطلب
9	”تراویح“ کا شرعی حکم اور اس کا درجہ
12	”تراویح“ کی نماز اور اس کی جماعت کی مشروعیت
13	”تراویح“ کے لیے اذان کا حکم
//	”تراویح“ کی نیت
14	”تراویح“ کی تعداد
18	”تراویح“ کی چار رکعت کے بعد وقفہ کا مستحب ہونا
19	ایک سلام سے تراویح کی چار، یا چار سے زائد رکعتیں پڑھنا
21	بلا عذر بیٹھ کر تراویح پڑھنے کا حکم

24	نمازِ تراویح کے وقت اور اداء و قضاء کا حکم
26	”تراویح“ کی جماعت
30	”تراویح“ میں ختم قرآن
32	تراویح میں مسبوق کا حکم
33	نابالغ کی اقتداء میں تراویح پڑھنے کا حکم
39	تراویح میں عورت کی امامت
41	تراویح میں عورت کا، مرد امام کو لقمہ دینا
47	دو، یا زیادہ افراد، یا عورت کے ساتھ نماز باجماعت کا طریقہ
	(ضمیمہ)
50	تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا، یا سننا
//	سوال
51	جواب
//	نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کے متعلق اقوال فقہاء
55	”کتابُ الأصل“ کا حوالہ
57	”الجامعُ الصغیر“ کا حوالہ
//	”النافعُ الکبیر“ کا حوالہ
59	”المبسوط للسرخسی“ کا حوالہ
60	”بدائع الصنائع“ کا حوالہ

61	”الهدایة“ کا حوالہ
62	”فتح القدیر“ کا حوالہ
66	”البحرُ الرائق“ کا حوالہ
68	”الذُرُ المختار“ کا حوالہ
69	”رُدُّ المحتار“ کا حوالہ
70	”حاشیة الطحطاوی علی المراقی“ کا حوالہ
71	”عمدة القاری“ کا حوالہ
73	اس سلسلہ میں بعض روایات و آثار
84	نمازِ تراویح میں قرائت کی غلطی کا حکم
//	سوال
85	جواب
102	فاسد شدہ تراویح کو باجماعت ادا کرنا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید

(من جانب مؤلف)

اس وقت دنیا بھر میں مخصوص کرونا وائرس کی وجہ سے جو صورت حال ہے، وہ سب کو معلوم ہے، دنیا بھر کے بیشتر ممالک میں مخصوص اجتماعات اور لوگوں کے اختلاط پر پابندی ہے، کئی مسلمانوں کے ممالک میں تو مساجد بھی بند ہیں، اور لوگ گھروں پر بیچ گانہ نمازیں ادا کر رہے ہیں، اور نماز تراویح کو بھی گھروں میں رہ کر پڑھنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

ماہرین کی بھی رائے یہی ہے کہ موجودہ حالات میں گھروں سے باہر نکلنے اور ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے ساتھ قربت و اختلاط سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے۔

ہم اس سلسلہ میں ماہرین فن کی آراء کو اہمیت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور ان کے تناظر میں فقہائے کرام کی بیان کردہ سہولیات سے فائدہ اٹھانے کی طرف رجحان رکھتے ہیں، جس کے دلائل ہم نے اپنے موقع پر ذکر کر دیے ہیں۔

فی الحال موجودہ حالات میں تراویح سے متعلق اہم مسائل نقل کیے جا رہے ہیں، اور ان میں سے کئی مسائل فقہی دلائل کے تناظر میں تفصیل طلب ہیں، لیکن فی الحال تفصیلات سے اجتناب کرتے ہوئے مختصر تحریر پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

اگر کسی صاحب علم کو ہمارے کسی مسئلہ میں بیان کردہ موقف سے اختلاف ہو، تو معروف قول سے عدول کی وجہ سے بجا ہو سکتا ہے، لیکن ہم نے جن دلائل اور حالات میں خاص موقف اختیار کیا ہے، اس پر ہمارا شرح صدر ہے۔

علمی و تحقیقی اعتبار سے کلام کی گنجائش کے لیے ہر ایک کے لیے راستے کھلے ہوئے ہیں، جس میں بوقت فرصت و ضرورت ہمیں بھی حصہ دار بننے میں ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی عذر نہ ہوگا۔ فقط

وَاللّٰهُ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

محمد رضوان خان 19 / شعبان المعظم / 1441ھ 13 / اپریل / 2020 بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

تراویح کے اہم مسائل

”تراویح“ کا مطلب

”تراویح“ عربی زبان کا لفظ ہے، جو ”ترویحة“ کی جمع ہے۔ اور عرف میں تراویح سے مراد وہ نماز ہے، جو ماہ رمضان میں عشاء کی نماز کے بعد، پڑھی جاتی ہے۔ ۱

”احیاء اللیل“ اور ”تہجد“ کا مطلب

”تراویح“ کے مقابلے میں عام دنوں کی راتوں میں کی جانے والی نفلی عبادت کو عربی زبان میں ”احیاء اللیل“ اور ”تہجد“ کہا جاتا ہے۔ ۲

۱۔ والتراویح: جمع ترویحة، أى ترویحة للنفس، أى استراحة، من الراحة وهى زوال المشقة والتعب، والترویحة فى الأصل اسم للجلسة مطلقاً، وسميت الجلسة التى بعد أربع ركعات فى لیلالى رمضان بالترویحة للاستراحة، ثم سميت كل أربع ركعات ترویحة مجازاً، وسميت هذه الصلاة بالتراویح؛ لأنهم كانوا يطيلون القيام فيها ويجلسون بعد كل أربع ركعات للاستراحة. وصلاة التراویح: هى قيام شهر رمضان، مثنى مثنى، على اختلاف بين الفقهاء فى عدد ركعاتها، وفى غیر ذلك من مسائلها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۳۵، مادة ”صلاة التراویح“)

۲۔ الألفاظ ذات الصلة:

أ- إحياء اللیل:

إحياء اللیل، ويطلق عليه بعض الفقهاء أيضاً قيام اللیل، هو: إمضاء اللیل، أو أكثره فى العبادة كالصلاة والذكر وقراءة القرآن الكريم، ونحو ذلك.

(ر: إحياء اللیل).

وإحياء اللیل: يكون فى كل ليلة من لیلالى العام، ويكون بأى من العبادات المذكورة أو نحوها وليس بخصوص الصلاة.

﴿تبیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”تطوع“ اور ”وتر“ کا مطلب

اور عربی زبان میں ”تطوع“ کا لفظ، شریعت و فقہ کی خاص اصطلاحی زبان میں فرض اور واجب نمازوں وغیرہ سے زائد نمازوں وغیرہ کو کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ اللہ کی فرض کردہ عبادات سے زائد ہوتی ہیں۔

اور ”تراویح“ کے مقابلے میں ”وتر“ سے وہ خاص نماز مراد ہے، جو سال بھر عشاء کے فرضوں کے بعد پڑھی جاتی ہے ”وتر“ کے معنی ”طاق“ کے آتے ہیں، اور ”وتر“ کی نماز، چونکہ ”جفت“ کے بجائے ”طاق“ ہوتی ہے، یعنی تین رکعتیں ہوتی ہیں، اور بعض فقہاء کے نزدیک ایک اور پانچ اور سات رکعتیں بھی ہوتی ہیں، اس لیے اس نماز کو ”وتر کی نماز“ کہا جاتا ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أما صلاة التراويح فتكون في ليالي رمضان خاصة.

ب - التهجّد:

التهجّد في اللغة: من الهجود، ويطلق الهجود على النوم وعلى السهر، يقال: هجد إذا نام بالليل، ويقال أيضا هجد: إذا صلى الليل، فهو من الأضداد، ويقال: تهجد إذا أزال النوم بالتكلف.

وهو في الاصطلاح: صلاة التطوع في الليل بعد النوم.

والتهجّد - عند جمهور الفقهاء - صلاة التطوع في الليل بعد النوم، في أي ليلة من ليالي العام.

أما صلاة التراويح فلا يشترط لها أن تكون بعد النوم، وهي في ليالي رمضان خاصة.

(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۳۶، مادة ”صلاة التراويح“)

ج - التطوع:

التطوع هو: ما شرع زيادة على الفرائض والواجبات من الصلاة وغيرها، وسمى بذلك؛ لأنه زائد على ما فرضه الله تعالى، وصلاة التطوع أو النافلة تنقسم إلى نفل مقيد ومنه صلاة التراويح، وإلى نفل مطلق أي غير مقيد بوقت.

وللتفصيل ينظر مصطلح: (تطوع)

د - الوتر:

الوتر هو: الصلاة المخصوصة بعد فريضة العشاء، سميت بذلك لأن عدد ركعاتها وتر لا شفع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۳۶، مادة ”صلاة التراويح“)

”تراویح“ کا شرعی حکم اور اس کا درجہ

فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں تراویح کی نماز، سنت ہے۔

اور حنفیہ، حنابلہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک، تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے۔ اور تراویح کی نماز خواتین و حضرات، سب کے لیے سنت ہے، اور یہ دین کے شعار سے تعلق رکھتی ہے۔ ۱

۱۔ الحکم التکلیفی:

اتفق الفقهاء على سنية صلاة التراويح.

وهي عند الحنفية والحنابلة وبعض المالكية سنة مؤكدة، وهي سنة للرجال والنساء، وهي من أعلام الدين الظاهرة.

وقد سن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة التراويح ورغب فيها، فقال صلى الله عليه وسلم: إن الله فرض صيام رمضان عليكم، وسنت لكم قيامه. روى أبو هريرة - رضي الله تعالى عنه - قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرغب في قيام رمضان من غير أن يأمرهم فيه بعزيمة فيقول: من قام رمضان إيماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه.

قال الخطيب الشربيني وغيره: اتفقوا على أن صلاة التراويح هي المرادة بالحديث المذكور.

وقد صلى النبي صلى الله عليه وسلم بأصحابه صلاة التراويح في بعض الليالي، ولم يواظب عليها، وبين العذر في ترك المواظبة وهو خشية أن تكتب فيعجزوا عنها، فمن عائشة - رضي الله تعالى عنها - أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى في المسجد، فصلى بصلاته ناس، ثم صلى من القابلة فكثر الناس، ثم اجتمعوا من الثالثة فلم يخرج إليهم، فلما أصبح قال: قد رأيت الذي صنعتم، فلم يمنعني من الخروج إليكم إلا أني خشيت أن تفرض عليكم، وذلك في رمضان زاد البخاري فيه: فتوفي رسول الله صلى الله عليه وسلم والأمر على ذلك.

وفى تعيين الليالي التي قامها النبي صلى الله عليه وسلم بأصحابه روى أبو ذر - رضي الله تعالى عنه - قال: صمنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم رمضان فلم يقم بنا شيئاً من الشهر حتى بقي سبع، فقام بنا حتى ذهب ثلث الليل، فلما كانت السادسة لم يقم بنا، فلما كانت الخامسة قام بنا حتى ذهب شطر الليل، فقلت: يا رسول الله لو نقلتنا قيام

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شافعیہ کے نزدیک بھی تراویح سنت ہے، لیکن اُن کے نزدیک اس کا درجہ جماعت کے ساتھ پڑھی جانے والی دیگر مؤکدہ سنت نمازوں اور فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جانے والی سنتوں سے کم ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هذه الليلة؟ قال: فقال: إن الرجل إذا صلى مع الإمام حتى ينصرف حسب له قيام ليلة قال: فلما كانت الرابعة لم يقم، فلما كانت الثالثة جمع أهله ونساءه والناس فقام بنا حتى خشينا أن يفوتنا الفلاح قال: قلت: وما الفلاح؟ قال: السحور، ثم لم يقم بنا بقية الشهر.

وعن النعمان بن بشير -رضى الله تعالى عنهما- قال: قمنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في شهر رمضان ليلة ثلاث وعشرين إلى ثلث الليل الأول، ثم قمنا معه ليلة خمس وعشرين إلى نصف الليل، ثم قمنا معه ليلة سبع وعشرين حتى ظننا أن لا ندرك الفلاح وكانوا يسمونه السحور.

وقد واظب الخلفاء الراشدون والمسلمون من زمن عمر -رضى الله تعالى عنه- على صلاة التراويح جماعة، وكان عمر -رضى الله تعالى عنه- هو الذي جمع الناس فيها على إمام واحد.

عن عبد الرحمن بن عبد القارى، قال: خرجت مع عمر بن الخطاب -رضى الله تعالى عنه- ليلة في رمضان إلى المسجد، فإذا الناس أوزاع متفرقون، يصلى الرجل لنفسه، ويصلى الرجل فيصلى بصلاته الرهط، فقال عمر: إني أرى لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان أمثل، ثم عزم فجمعهم على أبي بن كعب، ثم خرجت معه ليلة أخرى والناس يصلون بصلاة قارئهم، فقال: نعمت البدعة هذه، والتي ينامون عنها أفضل من التي يقومون. يريد آخر الليل، وكان الناس يقومون أوله.

وروى أسد بن عمرو عن أبي يوسف قال: سألت أبا حنيفة عن التراويح وما فعله عمر، فقال: التراويح سنة مؤكدة، ولم يتخرص عمر من تلقاء نفسه، ولم يكن فيه مبتدعاً، ولم يأمر به إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولقد سن عمر هذا وجمع الناس على أبي بن كعب فصلاها جماعة والصحابة متوافرون من المهاجرين والأنصار وما رد عليه واحد منهم، بل ساعده ووافقه وأمروا بذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۳۷ و ۱۳۸، مادة "صلاة التراويح")

۱ أما حكم المسألة فصلاة التراويح سنة بإجماع العلماء ومذهبنا أنها عشرون ركعة بعشر تسليمات وتجزئ منفرداً وجماعة وأيهما أفضل فيه وجهان مشهوران كما ذكر المصنف وحكماهما جماعة قولين (الصحيح) باتفاق الأصحاب أن الجماعة أفضل وهو المنصوص في البويطى وبه قال أكثر أصحابنا المتقدمين (والثانى) الانفراد أفضل وقد ذكر المصنف دليلهما قال أصحابنا

﴿بقية حاشیہ گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مالکیہ کے نزدیک نفل اور تطوع نمازوں میں، تراویح کی زیادہ تاکید ہے۔ اور شافعیہ کے نزدیک تطوع اور نفل نمازوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ کہ جن کو جماعت سے پڑھنا سنت ہے، اور جماعت سے پڑھی جانے والی سنت نمازوں کی فضیلت ان کے نزدیک، ان نفل و تطوع نمازوں سے زیادہ ہے، جن کو جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت نہیں۔ پھر جماعت کے ساتھ پڑھی جانے والی نمازوں میں ان کے نزدیک سب سے افضل نماز عیدین کی ہے، پھر سورج گرہن کی نماز ہے، پھر چاند گرہن کی نماز ہے، پھر استسقاء کی نماز ہے، اور پھر تراویح کی نماز ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک جو سنت نمازیں، فرائض کے تابع ہیں، جیسا کہ فجر، اور ظہر اور مغرب اور عشاء وغیرہ کی سنتیں، وہ ”تراویح“ سے افضل ہیں، اگرچہ ”تراویح“ کی جماعت سنت کیوں نہ ہو۔

اور حنابلہ کے نزدیک نفل نمازوں میں زیادہ فضیلت والی نمازیں وہ ہیں، جن کو جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت ہے، پھر سنت مؤکدہ کا درجہ ہے، اور جن نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کے سنت ہونے کی تاکید ہے، وہ سورج گرہن اور استسقاء، اور اس کے بعد ”تراویح“ کی نماز ہے۔ ا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

المراقبون والصيدلانی والبعغوی وغيرهما من الخراسانيين الخلاف فيمن يحفظ القرآن ولا يخاف الكسل عنها لو انفراد ولا تختل الجماعة في المسجد بتخلفه فإن فقد أحد هذه الأمور فالجماعة أفضل بلا خلاف وأطلق جماعة في المسألة ثلاثة أوجه ثالثها هذا الفرق.

وممن حكى الأوجه الثلاثة القاضي أبو الطيب في تعليقه وإمام الحرمين والغزالي قال صاحب الشامل قال أبو العباس وأبو إسحق صلاة التراويح جماعة أفضل من الانفراد لإجماع الصحابة وإجماع أهل الأمصار على ذلك (المجموع شرح المهذب، ج ۴، ص ۳۲، باب صلاة التطوع) ا فضل صلاة التراويح:

بين الفقهاء منزلة التراويح بين نوافل الصلاة.

قال المالكية: التراويح من النوافل المؤكدة، حيث قالوا: وتؤكد تراويح، وهو قيام رمضان.

﴿ بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

”تراویح“ کی نماز اور اس کی جماعت کی مشروعیت

”تراویح“ کی نماز، اور اس کو جماعت کے ساتھ پڑھنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، لیکن اس کو ایک خاص وجہ سے، باجماعت پڑھنا مستقل معمول کے طور پر ثابت نہیں۔

البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ”تراویح“ کی نماز باجماعت اداء کرنے کا خاص اہتمام شروع ہوا، جس وقت کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد موجود تھی، اور انہوں نے اس پر اتفاق کیا، اور کسی نے اس عمل پر نکیر نہیں فرمائی، جس کی وجہ سے اس کو ہمیشہ اور باجماعت پڑھنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہو گیا، اور اس کے بعد سے لے کر آج تک دنیا بھر میں تمام مسلمانوں کا رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں اس پر عمل اور اس کا اہتمام جاری ہے۔ ۱

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال الشافعية: التطوع قسمان: قسم تسنن له الجماعة وهو أفضل مما لا تسنن له الجماعة لتأكده بسنها له، وله مراتب:

فأفضله العيدان ثم الكسوف للشمس، ثم الخسوف للقمر، ثم الاستسقاء، ثم التراويح . . . وقالوا: الأصح أن الرواتب وهي التابعة للفرائض أفضل من التراويح وإن سن لها الجماعة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم واظب على الرواتب دون التراويح.

قال شمس الدين الرملي: والمراد تفضيل الجنس على الجنس من غير نظر لعدد .

وقال الحنابلة: أفضل صلاة تطوع ما سن أن يصلى جماعة؛ لأنه أشبه بالفرائض ثم الرواتب، وأكد ما يسن جماعة: كسوف فاستسقاء فتراويح (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۳۹، مادة ”صلاة التراويح“)

۱ تاریخ مشروعیت صلاة التراويح والجماعة فیہا:

روی الشیخان عن عائشة -رضی اللہ تعالیٰ عنہا -: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج من جوف اللیل لیالی من رمضان وصلى فی المسجد، وصلى الناس بصلاته، وتکاثروا فلم یخرج الیهم فی الرابعة، وقال لهم: خشیت أن تفرض علیکم فتعجزوا عنها .

قال القلیوبی: هذا یشعر أن صلاة التراويح لم تشرع إلا فی آخر سنی الهجرة لأنه لم یرد أنه صلاها مرة ثانية ولا وقع عنها سؤال .

وجمع عمر بن الخطاب -رضی اللہ تعالیٰ عنہ - الناس فی التراويح علی إمام واحد فی السنة الرابعة عشرة من الهجرة، لحو سنتین خلنا من خلافته، وفی رمضان الثانی من خلافته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۳۹، مادة ”صلاة التراويح“)

”تراویح“ کے لیے اذان کا حکم

فقہائے کرام کے نزدیک تراویح کی نماز کے لیے اذان و اقامت سنت نہیں۔
البتہ شافعیہ کے نزدیک تراویح کے لیے بوقتِ ضرورت ”الصلاة جامعة“ وغیرہ الفاظ کے
ساتھ اعلان کرنا بہتر ہے۔ ۱۔

”تراویح“ کی نیت

شافعیہ اور حنابلہ اور بعض حنفیہ کے نزدیک ”تراویح“ کے لیے نیت میں تعین ضروری ہے، اور
ان کے نزدیک مطلق اور عام نیت سے تراویح درست نہیں ہوتی، بلکہ ان کے نزدیک تراویح یا
قیامِ رمضان کی نیت سے ہی تراویح اداء ہوتی ہے۔
البتہ اکثر حنفیہ کے نزدیک تراویح اور تمام سنتیں مطلق نیت سے اداء ہو جاتی ہیں۔
لیکن یہ یاد رہے کہ نیت، دل کے ارادہ کا نام ہے، نیت کے لیے زبان سے الفاظ اداء

۱۔ النداء لصلاة التراويح:

ذهب الفقهاء إلى أنه لا أذان ولا إقامة لغير الصلوات المفروضة، لما ثبت أن رسول الله
صلى الله عليه وسلم أذن للصلوات الخمس والجمعة دون ما سواها من الوتر،
والعیدین، والكسوف، والخسوف، والاستسقاء، وصلاة الجنائز، والسنن والنوافل.
وقال الشافعية: ينادى لجماعة غير الصلوات المفروضة: الصلاة جامعة، ونقل النووي
عن الشافعي قوله: لا أذان ولا إقامة لغير المكتوبة، فأما الأعياد والكسوف وقيام شهر
رمضان فأحب أن يقال: الصلاة جامعة.

واستدلوا بما روى الشيخان أنه لما كسفت الشمس على عهد رسول الله صلى الله
عليه وسلم نودي: إن الصلاة جامعة وقيس بالكسوف غيره مما تشرع فيه الجماعة
ومنها التراويح.
وكالصلاة جامعة: الصلاة الصلاة، أو هلموا إلى الصلاة، أو الصلاة ورحمكم الله، أو حي
على الصلاة خلافا لبعضهم.

وذهب الحنابلة إلى أنه لا ينادى على التراويح "الصلاة جامعة" لأنه
محدث (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۲۰، مادة "صلاة التراويح")

کرنا ضروری نہیں۔ ۱

”تراویح“ کی تعداد

جمہور فقہائے کرام اور جمہور امت کے نزدیک تراویح کی بیس رکعات ہیں۔

اکثر خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی بیس رکعات تراویح کا پڑھنا صاف طور پر ثابت ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک بھی تراویح کی 20 یا 36 رکعتیں ہیں، دونوں کے پڑھنے کی گنجائش ہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک 20 رکعات سے زیادہ، پڑھنے میں حرج نہیں۔

جبکہ علامہ ابن تیمیہ کا قول یہ ہے کہ اگر عذر نہ ہو، تو عام حالات میں 20 رکعات پڑھنا افضل ہے، اور حسب قدرت اس تعداد میں کمی و زیادتی کی بھی گنجائش ہے، ان کے نزدیک ان میں

۱ تعیین النية في صلاة التراويح:

ذهب الشافعية وبعض الحنفية، وهو المذهب عند الحنابلة إلى اشتراط تعيين النية في التراويح، فلا تصح التراويح بنية مطلقة، بل ينوي صلاة ركعتين من قيام رمضان أو من التراويح لحديث: إنما الأعمال بالنيات وليتميز إحرامه بهما عن غيره.

وعلى الحنفية القائلون بذلك قولهم بأن التراويح سنة، والسنة عندهم لا تتأدى بنية مطلق الصلاة أو نية التطوع، واستدلوا بما روى الحسن عن أبي حنيفة أنه: لا تتأدى ركعتا الفجر إلا بنية السنة. لكنهم اختلفوا في تجديده النية لكل ركعتين من التراويح، قال ابن عابدين في الخلاصة: الصحيح نعم؛ لأنه صلاة على حدة، وفي الثانية: الأصح لا، فإن الكل بمنزلة صلاة واحدة، ثم قال ويظهر لي (توجيه) التصحيح الأول؛ لأنه بالسلام خرج من الصلاة حقيقة، فلا بد من دخوله فيها بالنية، ولا شك أنه الأحوط خروجاً من الخلاف.

وقال عامة مشايخ الحنفية: إن التراويح وسائر السنن تتأدى بنية مطلقة؛ لأنها وإن كانت سنة لا تخرج عن كونها نافلة، والنوافل تتأدى بمطلق النية، إلا أن الاحتياط أن ينوي التراويح أو سنة الوقت أو قيام رمضان احترازاً عن موضع الخلاف.

وذهب الحنابلة إلى أنه يندب في كل ركعتين من التراويح أن ينوي فيقول سرا: أصلى ركعتين من التراويح المسنونة أو من قيام رمضان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۴۰، مادة ”صلاة التراويح“)

سے کوئی عمل قابلِ تکمیر و ملامت نہیں۔ ا

۱۔ عدد رکعات التراويح:

قال السيوطي: الذي وردت به الأحاديث الصحيحة والحسان الأمر بقيام رمضان والترغيب فيه من غير تخصيص بعدد، ولم يثبت أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى التراويح عشرين ركعة، وإنما صلى ليالي صلاة لم يذكر عددها، ثم تأخر في الليلة الرابعة خشية أن تفرض عليهم فيعجزوا عنها . وقال ابن هيثم: لم يصح أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى التراويح عشرين ركعة، وما ورد أنه كان يصلي عشرين ركعة فهو شديد الضعف .

واختلفت الرواية فيما كان يصلي به في رمضان في زمان عمر بن الخطاب -رضى الله تعالى عنه :- فذهب جمهور الفقهاء -من الحنفية، والشافعية، والحنابلة، وبعض المالكية -إلى أن التراويح عشرون ركعة، لما رواه مالك عن يزيد بن رومان والبيهقي عن السائب بن يزيد من قيام الناس في زمان عمر -رضى الله تعالى عنه -بعشرين ركعة، وجمع عمر الناس على هذا العدد من الركعات جمعا مستمرا، قال الكاساني: جمع عمر أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم في شهر رمضان على أبي بن كعب -رضى الله تعالى عنه -فصلى بهم عشرين ركعة، ولم ينكر عليه أحد فيكون إجماعا منهم على ذلك .

وقال الدسوقي وغيره: كان عليه عمل الصحابة والتابعين .

وقال ابن عابدين: عليه عمل الناس شرقا وغربا .

وقال علي السنهوري: هو الذي عليه عمل الناس واستمر إلى زماننا في سائر الأمصار .

وقال الحنابلة: وهذا في مظنة الشهرة بحضور الصحابة فكان إجماعا والنصوص في ذلك كثيرة .

وروى مالك عن السائب بن يزيد قال: أمر عمر بن الخطاب أبي بن كعب وتميما الداري أن يقوموا للناس بإحدى عشرة ركعة، قال: وقد كان القارئ يقرأ بالمتين، حتى كنا نعتمد على العصي من طول القيام، وما كنا ننصرف إلا في فروع الفجر .

وروى مالك عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث وعشرين ركعة، قال البيهقي والباحي وغيرهما: أي بعشرين ركعة غير الوتر ثلاث ركعات، ويؤيده ما رواه البيهقي وغيره عن السائب بن يزيد -رضى الله تعالى عنه -قال: كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب -رضى الله عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة .

قال الباجي: يحتمل أن يكون عمر أمرهم بإحدى عشرة ركعة، وأمرهم مع ذلك بطول القراءة، يقرأ القارئ بالمتين في الركعة؛ لأن التطويل في القراءة أفضل الصلاة، فلما ضعف الناس عن ذلك أمرهم بثلاث وعشرين ركعة على وجه التخفيف عنهم من طول القيام، واستدرك بعض الفضيلة بزيادة الركعات .

وقال العدوي: الإحدى عشرة كانت مبدأ الأمر، ثم انتقل إلى العشرين . وقال ابن حبيب: رجع عمر إلى ثلاث وعشرين ركعة .

وخالف الكمال بن الهمام مشايخ الحنفية القائلين بأن العشرين سنة في التراويح فقال: قيام رمضان

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ میں سے علامہ ابن ہمام کی رائے یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح مستحب ہے، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سنة إحدى عشرة ركعة بالوتر في جماعة، فعله النبي صلى الله عليه وسلم ثم تركه لعذر، أفاد أنه لو لا خشية فرضه عليهم لواطب بهم، ولا شك في تحقق الأيمن من ذلك بوفاته صلى الله عليه وسلم فيكون سنة، وكونها عشرين سنة الخلفاء الراشدين، وقوله صلى الله عليه وسلم: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين ندي إلي سنتهم، ولا يستلزم كون ذلك سنته؛ إذ سنته بمواظبته بنفسه أو إلا لعذر، وبتقدير عدم ذلك العذر كان يواطب على ما وقع منه، فتكون العشرون مستحبا، وذلك القدر منها هو السنة، كالأربع بعد العشاء مستحبة وركعتان منها هي السنة، وظاهر كلام المشايخ أن السنة عشرون، ومقتضى الدليل ما قلنا فيكون هو المسنون، أي فيكون المسنون منها ثمانى ركعات والباقي مستحبا .

وقال المالكية: القيام في رمضان بعشرين ركعة أو بست وثلاثين واسع أي جائز، فقد كان السلف من الصحابة -رضوان الله عليهم- يقومون في رمضان في زمن عمر بن الخطاب -رضى الله تعالى عنه- في المساجد بعشرين ركعة، ثم يوترون بثلاث، ثم صلوا في زمن عمر بن عبد العزيز ستا وثلاثين ركعة غير الشفع والوتر.

قال المالكية: هو اختيار مالك في المدونة، قال: هو الذي لم يزل عليه عمل الناس أي بالمدينة بعد عمر بن الخطاب، وقالوا: كره مالك نقصها عما جعلت بالمدينة. وعن مالك -أي في غير المدونة- قال: الذي يأخذ بنفسى في ذلك الذي جمع عمر عليه الناس، إحدى عشرة ركعة منها الوتر، وهي صلاة النبي صلى الله عليه وسلم وفي المذهب أقوال وترجيحات أخرى .

وقال الشافعية: ولأهل المدينة فعلها ستا وثلاثين؛ لأن العشرين خمس ترويحيات، وكان أهل مكة يطوفون بين كل ترويحتين سبعة أشواط، فحمل أهل المدينة بدل كل أسبوع ترويحة ليساؤوهم، قال الشيخان: ولا يجوز ذلك لغيرهم . وهو الأصح كما قال الرملى لأن لأهل المدينة شرفا بهجرته صلى الله عليه وسلم ومدفنه، وخالف الحلیمی فقال: ومن اقتدى بأهل المدينة فقام بست وثلاثين فحسن أيضا.

وقال الحنابلة: لا ينقص من العشرين ركعة، ولا بأس بالزيادة عليها نصا، قال عبد الله بن أحمد: رأيت أبى يصلى في رمضان ما لا أحصى، وكان عبد الرحمن بن الأسود يقوم بأربعين ركعة ويوتر بعدها بسبع

قال ابن تيمية: والأفضل يختلف باختلاف أحوال المصلين، فإن كان فيهم احتمال لطول القيام، فالقيام بعشر ركعات وثلاث بعدها، كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلى لنفسه في رمضان وغيره هو الأفضل. وإن كانوا لا يحتملونه فالقيام بعشرين هو الأفضل. وهو الذي يعمل به أكثر المسلمين، فإنه وسط بين العشر وبين الأربعين، وإن قام بأربعين وغيرها جاز ذلك ولا يكره شيء من ذلك. وقد نص على ذلك غير واحد من الأئمة كأحمد وغيره. قال: ومن ظن أن قيام رمضان

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وتروں سمیت گیارہ رکعت پڑھنا سنت سے ثابت ہے۔ ۱
لیکن مشائخ حنفیہ نے دلائل کی رُو سے علامہ ابن ہمام کی اس بات کو قبول نہیں کیا، اور انہوں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فیہ عدد موقت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یزاد فیہ ولا ینقص منه فقد أخطأ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۴۱، الی ۱۴۳، مادة "صلاة التراويح")
نفس قیام رمضان لم یوقت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہ عددا معینا؛ بل کان هو -صلی اللہ علیہ وسلم- لا یشترک فی رمضان ولا غیرہ علی ثلاث عشرة رکعة لکن کان یطیل الرکعات فلما جمعہم عمر علی أبی بن کعب کان یصلی بہم عشرين رکعة ثم یوتر بثلاث وکان یشخف القراءة بقدر ما زاد من الرکعات لأن ذلک أخف علی المأمومین من تطویل الرکعة الواحدة ثم کان طائفة من السلف یقومون بأربعین رکعة ویوترون بثلاث وآخرون قاموا بست وثلاثین وأوتروا بثلاث .
وهذا کله سائغ فکیفما قام فی رمضان من هذه الوجوه فقد أحسن . والأفضل یختلف باختلاف أحوال المصلین فإن کان فیہم احتمال لطول القیام فالقیام بعشر رکعات وثلاث بعدها . كما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی لنفسه فی رمضان وغیره هو الأفضل وإن کانوا لا یحتملونه فالقیام بعشرين هو الأفضل وهو الذی یعمل بہ اکثر المسلمین فإنه وسط بین العشر و بین الأربعین وإن قام بأربعین وغیرہا جاز ذلک ولا یکره شیء من ذلک (مجموع الفتاوى، لابن تیمیة، ج ۲۲، ص ۲۷۳، باب صفة الصلاة)

۱۔ وخالف الکمال بن الہمام مشایخ الحنفیة القائلین بأن العشرین سنة فی التراويح فقال: قیام رمضان سنة إحدى عشرة رکعة بالوتر فی جماعة، فعله النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم ترکہ لعذر، أفاد أنه لو لا خشية فرضه علیہم لواطب بہم، ولا شک فی تحقق الأمن من ذلک بوفاته صلی اللہ علیہ وسلم فیکون سنة، وكونها عشرين سنة الخلفاء الراشدين، وقوله صلی اللہ علیہ وسلم: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين ندب إلى سنتہم، ولا یستلزم کون ذلک سنتہ؛ إذ سنتہ بمواظبته بنفسه أو إلا لعذر، وبتقدير عدم ذلک العذر کان یواطب علی ما وقع منه، فتكون العشرین مستحبا، وذلک القدر منها هو السنة، کالأربع بعد العشاء مستحبة ورکعتان منها ہی السنة، وظاهر کلام المشایخ أن السنة عشرون، ومقتضى الدلیل ما قلنا فیکون هو المسنون، أى فیکون المسنون منها ثمانی رکعات والباقی مستحبا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۴۲، ۱۴۳، مادة "صلاة التراويح")

فتكون العشرین مستحبا وذلک القدر منها هو السنة کالأربع بعد العشاء مستحبة ورکعتان منها ہی السنة.

وظاهر کلام المشایخ أن السنة عشرون، ومقتضى الدلیل ما قلنا (فتح القدير، ج ۱ ص ۲۶۸، کتاب الصلاة، باب النوافل، فصل فی قیام شهر رمضان)

نے تراویح کی بیس رکعات کو ہی سنت قرار دیا ہے۔ ۱۔
البتہ اگر ضرورت کی وجہ سے کبھی بیس رکعات سے کم پڑھی جائیں، اور سنت اور افضل بیس کو ہی سمجھا جائے، تو اس کی اپنی جگہ گنجائش موجود ہے۔

”تراویح“ کی چار رکعت کے بعد وقفہ کا مستحب ہونا

تراویح کی نماز میں ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر وقفہ کرنا مستحب ہے، اور یہ وقفہ حسب ضرورت و راحت کم و بیش کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ (قولہ وہی عشرون رکعة) هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقا وغربا. وعن مالك ست وثلاثون. وذكر في الفتح أن مقتضى الدليل كون المسنون منها ثمانية والباقي مستحبا، وتسامه في البحر، وذكرت جوابه فيما علقته عليه (رد المحتار، ج ۲ ص ۲۵، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

وقوله عشرون ركعة بيان لكميتها وهو قول الجمهور لما في الموطأ عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعة وعليه عمل الناس شرقا وغربا لكن ذكر المحقق في فتح القدير ما حاصله أن الدليل يقتضي أن تكون السنة من العشرين ما فعله - صلى الله عليه وسلم - منها ثم تركه خشية أن تكتب علينا والباقي مستحب وقد ثبت أن ذلك كان إحدى عشرة ركعة بالوتر كما ثبت في الصحيحين من حديث عائشة إذ أن يكون المسنون على أصول مشايخنا ثمانية منها والمستحب اثنا عشر انتهى (البحر الرائق، ج ۲ ص ۷۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، صلاة التراويح)

(قولہ كما ثبت في الصحيحين إلخ) أى الحديث السابق عند قول المتن والأفضل فيهما رباع وفيه ما كان يزيد في رمضان ولا غيره على إحدى عشرة ركعة قال في الفتح وأما ما روى ابن أبي شيبة في مصنفه والطبراني وعند البيهقي من حديث ابن عباس عنه - صلى الله تعالى عليه وسلم - كان يصلي في رمضان عشرين ركعة سوى الوتر فضعيف بأبي شيبة إبراهيم بن عثمان جد الإمام أبي بكر بن أبي شيبة متفق على ضعفه مع مخالفته للصحيح اهـ.

قلت: أما مخالفته للصحيح فقد يجاب عنها بأن ما في الصحيح مبنى على ما هو الغالب من أحواله - صلى الله تعالى عليه وسلم - هذا كان ليلتين فقط ثم تركه - عليه الصلاة والسلام - فلذا لم تذكره عائشة - رضی اللہ تعالیٰ عنہا - وأما تضعيف الحديث بمن ذكر فقد يقال إنه اعتضد بما مر من نقل الإجماع على سنتها من غير تفصيل مع قول الإمام - رحمه الله - إن ما فعله عمر - رضی اللہ عنہ - لم يتخرجه من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعا ولم يأمر به إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - هـ فتأمل (منحة الخالق على البحر الرائق، ج ۲ ص ۷۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، صلاة التراويح)

اور اس وقفہ میں اختیار ہے کہ خواہ خاموش رہے، یا کوئی ذکر کرے، اور اگر کوئی یہ وقفہ نہ کرے تب بھی گناہ نہیں۔ ۱

ایک سلام سے تراویح کی چار، یا چار سے زائد رکعتیں پڑھنا

حنفیہ کے نزدیک تراویح کی بیس رکعات کو دو دور رکعات کر کے پڑھنا چاہئے کہ دو دور رکعت کی نیت کی جائے، اور ہر دوسری رکعت پر سلام پھیرا جائے، اور پھر اگلی دور رکعتیں الگ سلام کے ساتھ پڑھی جائیں، اور اس طرح بیس رکعتیں مکمل کی جائیں۔ ۲

۱ الاستراحة بین کل ترویحتین:

اتفق الفقهاء علی مشروعیة الاستراحة بعد کل أربع رکعات؛ لأنه المتوارث عن السلف، فقد كانوا يطيلون القيام فی التراويح ويجلس الإمام والمأمومون بعد کل أربع رکعات للاستراحة.

وقال الحنفیة: یندب الانتظار بین کل ترویحتین، ویكون قدر ترویحة، ویشغل هذا الانتظار بالسکوت أو الصلاة فرادی أو القراءة أو التسبیح.

وقال الحنابلة: لا بأس بترك الاستراحة بین کل ترویحتین، ولا یسن دعاء معین إذا استراح لعدم ورودہ (الموسوعة الفقهیة الكويتیة، ج ۲، ص ۱۲۲، مادة "صلاة التراويح")

كلما صلی ترویحة قعد بین الترویحتین قدر ترویحة یسبح، ویهلل ویكبر، ویصلی علی النبی -صلی اللہ علیہ وسلم (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۹۰، کتاب الصلاة، فصل فی سنن صلاة التراويح)

(يجلس) ندبا (بین كل أربعة بقدرها وكذا بین الخامسة والوتر) ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلاة فرادی، نعم تکره صلاة رکعتین بعد كل رکعتین (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۶، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

والانتظار بین کل ترویحتین مستحب فی رواية الحسن عن ابی حنیفة رحمهما اللہ (خلاصة الفتاوی، ج ۱، ص ۶۳، کتاب الصلاة)

۲ ومنها أن یصلی كل رکعتین بتسلیمة علی حدة (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۸۹، کتاب الصلاة، فصل فی سنن صلاة التراويح)

وأراد بالعشرین أن تكون بعشر تسلیمات كما هو المتوارث یسلم علی رأس كل رکعتین (البحر الرائق، ج ۲، ص ۷۲، کتاب الصلاة، صلاة التراويح)

قال -رحمہ اللہ- (وسن فی رمضان عشرون رکعة بعشر تسلیمات بعد العشاء قبل الوتر وبعده بجماعة (تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۷۸، باب الوتر والنوافل)

اگر ایک سلام سے تراویح کی چار رکعتیں پڑھی جائیں، اور دوسری رکعت پر قعدہ بھی کیا جائے، تو بھی حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔ ۱

اور اگر کسی نے چار سے زیادہ مثلاً چھ یا آٹھ یا دس یا اس سے زیادہ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھیں، اور ہر دوسری رکعت پر قعدہ بھی کیا، تو حنفیہ کے نزدیک یہ تمام رکعتیں تراویح کے اعتبار سے معتبر ہو جائیں گی، لیکن جان بوجھ کر اور بلا عذر ایسا کرنا مناسب نہیں، بلکہ معروف و متواتر طریقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ ۲

اور مالکیہ کے نزدیک، ہر دو رکعت تراویح پر سلام پھیرنا مستحب ہے، اور دو سے زیادہ رکعتیں، ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مناسب نہیں۔

اور شافعیہ کے نزدیک تراویح کی اگر ایک سلام کے ساتھ چار، یا زیادہ رکعتیں پڑھی جائیں، تو وہ تراویح کی رکعتیں شمار نہیں ہوں گی۔

۱۔ ولو صلی ترویحة بتسلیمة واحدة وقعد فی الثانية قدر الشہد، لا شک أنه یجوز علی أصل أصحابنا أن صلوات کثیرة تتأدی بتحریمة واحدة بناء علی أن التحریمة شرط ولیست برکن عندنا خلافاً للشافعی (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۸۹، کتاب الصلاة، فصل فی سنن صلاة التراويح)

۲۔ وفي المحيط لو صلی التراويح کلها بتسلیمة واحدة وقد قعد علی رأس کل رکعتین، فالأصح أنه یجوز عن الكل لأنه قد أكمل الصلاة ولم یخل بشيء من الأركان إلا أنه جمع المتفرق واستدام التحریمة فكان أولى بالجواز لأنه أشق وأتعب للبدن انتهى وظاهره أنه لا یکره وقد صرح بعدم الکراهة فی منیة المصلی ولا یخفی ما فیہ لمخالفته المتواتر مع تصریحهم بکراهة الزیادة علی ثمان فی مطلق التطوع لیلا فلأن یکره هنا أولى فلهدا نقل العلامة الحلبي أن فی النصاب وخزانة الفتاوى الصحیح أنه لو تعمد ذلك یکره فلو لم یقعد إلا فی آخرها فقد علمت أن الصحیح أنه یجزئه عن تسلیمة واحدة فیما لو صلی أربعا بتسلیمة فکذلك هنا (البحر الرائق، ج ۲، ص ۷۲، کتاب الصلاة، صلاة التراويح)

(بعشر تسلیمات) فلو فعلها بتسلیمة؛ فإن قعد لكل شفع صحت بکراهة وإلا نابت عن شفع واحد به یفتی (الدر المختار مع ردالمحتار)

(قولہ وصحت بکراهة) أى صحت عن الكل. وتکره إن تعمد، وهذا هو الصحیح كما فی الحلیة عن النصاب وخزانة الفتاوى، خلافاً لما فی المنیة من عدم الکراهة، فإنه لا یخفی ما فیہ لمخالفته المتواتر مع تصریحهم بکراهة الزیادة علی ثمان فی مطلق التطوع لیلا فهنا أولى بحر (ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۵، باب الوتر والنوافل)

”ولم نجد للحنبلة كلاما فى هذه المسألة“ ۱

بلا عذر بیٹھ کر تراویح پڑھنے کا حکم

کئی احادیث میں سنت و نفل نماز کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے میں آدھے ثواب کا ذکر آیا ہے۔ ۲

۱ التسلیم فی صلاة التراويح:

ذهب الفقهاء إلى أن من صلى التراويح يسلم من كل ركعتين؛ لأن التراويح من صلاة الليل فتكون مشنى مشنى، لحديث: صلاة الليل مشنى مشنى ولأن التراويح تؤدى بجماعة فيراعى فيها التيسير بالقطع بالتسليم على رأس الركعتين لأن ما كان آدم تحريمه كان أشق على الناس .

واختلفوا فيمن صلى التراويح ولم يسلم من كل ركعتين:

فقال الحنفية: لو صلى التراويح كلها بتسليمة وقعد فى كل ركعتين فالصحيح أنه تصح صلاته عن الكل؛ لأنه قد أتى بجميع أركان الصلاة وشرائطها؛ لأن تجريد التحريم لكل ركعتين ليس بشرط عندهم، لكنه يكره إن تعمد على الصحيح عندهم؛ لمخالفته المتوارث، وتصريحهم بكرهه الزيادة على ثمان فى صلاة مطلق التطوع فهنا أولى.

وقالوا: إذا لم يقعد فى كل ركعتين وسلم تسليمة واحدة فإن صلاته تفسد عند محمد، ولا تفسد عند أبى حنيفة وأبى يوسف، والأصح أنها تجوز عن تسليمة واحدة؛ لأن السنة أن يكون الشفع الأول كاملا، وكمالها بالقعدة ولم توجد، والكمال لا يتأدى بالنقص .

وقال المالكية: يندب لمن صلى التراويح التسليم من كل ركعتين، ويكره تأخير التسليم بعد كل أربع، حتى لو دخل على أربع ركعات بتسليمة واحدة فالأفضل له السلام بعد كل ركعتين .

وقال الشافعية: لو صلى فى التراويح أربعاً بتسليمة واحدة لم يصح، فبتطل إن كان عامدا عالما، وإلا صارت نفلا مطلقا، وذلك لأن التراويح أشبهت الفرائض فى طلب الجماعة فلا تغير عما ورد.

ولم نجد للحنبلة كلاما فى هذه المسألة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۲۵، مادة "صلاة التراويح")

۲ عن عمران بن حصين قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلاة

الرجل قاعدا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلاة القائم أفضل وصلاة القاعد

على النصف من صلاة القائم (ابن خزيمة، رقم الحديث ۱۲۳۶، باب تقصير أجر صلاة

القاعد عن صلاة القائم فى التطوع)

أخبرني أنس بن مالك قال: قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة وهى محمة، فحم

الناس، فدخل النبي صلى الله عليه وسلم المسجد، والناس قعود يصلون. فقال النبي

صلى الله عليه وسلم: "صلاة القاعد نصف صلاة القائم، فنجشم الناس الصلاة قياما

(مسند احمد، رقم الحديث ۱۲۳۹۵، مسند أنس بن مالك رضى الله تعالى عنه)

﴿بقيہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جن کے پیش نظر رائج یہ ہے کہ بلا عذر بیٹھ کر تراویح پڑھنا جائز ہے (کیونکہ تراویح میں قیام فرض نہیں) لیکن مستحب اور افضل یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھے۔

البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے پوری یا کچھ رکعتیں بیٹھ کر پڑھے، تو پھر ثواب میں کمی نہیں کی جاتی۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال شعب الارنؤوط: حدیث صحیح، وهذا إسناد رجاله ثقات رجال الشيخين (حاشیة مسند احمد)

عن المسیب بن رافع الکاهلی، قال: صلاة القاعد علی النصف من صلاة القائم إلا من عذر (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث ۴۶۷۲، باب صلاة القاعد علی النصف من صلاة القائم)

وذلك عندنا والله أعلم على المصلى تطوعا قاعدا وهو يطيق أن يصلى قائما، فيكون له بذلك نصف ما يكون له لو صلى قائما، وليس هو على صلاته قاعدا، وهو لا يطيق القيام، ذلك صلاته قاعدا فيما يكتب له من الثواب بها كصلاته إياها قائما؛ لأنه هانئا قد قصد إلى القيام وقصر به عنه فاستحق من الثواب ما يستحقه لو صلاها قائما، فكان إذا كان يطيق القيام فصلى قاعدا قد ترك القيام اختيارا فلم يكتب له ثوابه، وكتب له ثواب المصلى قاعدا على صلاته كذلك (شرح مشكل الآثار للطحاوي، تحت رقم حدیث ۱۶۹۳، باب بیان مشكل ما روى عن عمران بن حصين في كيفية الصلاة الخ)

۱ القعود في صلاة التراويح:

جاء في مذهب الحنفية أن من يصلى التراويح قاعدا فإنه يجوز مع الكراهة تنزيها لأنه خلاف السنة المتوارثة.

وصرح الحنفية بأنه يكره للمقتدى أن يقعد في صلاة التراويح، فإذا أراد الإمام أن يركع قام، واستظهر ابن عابدين أنه يكره تحريما؛ لأن في ذلك إظهار التكاسل في الصلاة والتشبه بالمنافقين، قال الله تعالى: (وإذا قاموا إلى الصلاة قاموا كسالى) فإذا لم يكن ذلك لكسل بل لكبر ونحوه لا يكره، ولم نجد مثل هذا لغير الحنفية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۳۵، مادة "صلاة التراويح")

ويجوز التراويح قاعدا من غير عذر لأنه تطوع إلا أنه لا يستحب؛ لأنه خلاف السنة المتوارثة (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۹۰، كتاب الصلاة، فصل في سنن صلاة التراويح)

ذكر قاضى خان في فتاويه من باب التراويح الأصح أن سنة الفجر لا يجوز أداؤها قاعدا من غير عذر والتراويح يجوز أداؤها قاعدا من غير عذر والفرق أن سنة الفجر مؤكدة لا خلاف فيها والتراويح في التأكيد دونها انتهى وقد نقلناه في سنة الفجر في موضعها من رواية الحسن.

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر جس طرح پوری تراویح کو بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ تراویح کی نماز کھڑے ہو کر شروع کرے، پھر اسی رکعت میں یا دوسری رکعت میں بیٹھ جائے۔ اور اسی طرح تراویح بیٹھ کر پڑھنی شروع کرے، پھر اسی رکعت میں یا دوسری رکعت میں کھڑا ہو جائے، تو یہ بھی جائز ہے۔

اور اگر کوئی قرائت و تلاوت کے موقع پر بیٹھ کر تراویح پڑھتا رہے، اور جب رکوع کا موقع آئے، تو کھڑا ہو جائے، اور رکوع کرے، تو اس طرح کرنا بھی جائز اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهكذا صححه حسام الدين ثم قال الصحيح انه لا يستحب في التراويح لمخالفته للتوارث وعمل السلف وهذا كله في الابتداء (البحر الرائق، ج ۲، ص ۶۸، باب الوتر والنوافل، قوله ويتنفل قاعدا مع قدرته على القيام ابتداء وبناء)

اتفقوا على أن أداء التراويح قاعدا لا يستحب بغير عذر واختلفوا في الجواز قال بعضهم: يجوز وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۱۸، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل في التراويح)

وأذاؤها قاعد يجوز في المختار ولو بلا عذر لكن لا يستحب بخلاف سنة الفجر فإنه لا يجوز قاعداً (الفتاوى البرزانية، ج ۱، ص ۱۵، الثالث التراويح)

اتفقوا على أنه لا يستحب بغير عذر واختلفوا في الجواز فقال بعضهم لا يجوز بغير عذر واستدلوا بما روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه لو صلى سنة الفجر قاعداً بغير عذر لا يجوز فكذا التراويح إذ كل واحد منهما سنة مؤكدة وقال بعضهم يجوز أداء التراويح قاعداً بغير عذر وفرقوا بين التراويح وبين سنة الفجر وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم ووجه الفرق أن سنة الفجر سنة مؤكدة لا خلاف فيها والتراويح في التأكيد دونها فلا يجوز التسوية بينهما (فتاوى قاضى خان، ج ۱، ص ۱۷۲، كتاب الصوم، فصل في أداء التراويح قاعداً)

۱. وأما قوله وبناء بأن شرع فيه قائما ثم قعد من غير عذر فهو قول أبي حنيفة وهذا استحسان وعندهما لا يجزئه وهو قياس لأن الشروع معتبر بالنذر وله أنه لم يباشر القيام فيما بقى ولما باشر صحة بدونه بخلاف النذر لأنه التزمه ناصحاً حتى لو لم ينص على القيام لا يلزمه القيام عند بعضهم كما لو نذر صلاة لأنه في النفل وصف زائد فلا يلزمه إلا بشرط وعند البعض يلزمه القيام لأن إيجاب العبد معتبر بإيجاب الله وأينما أوجبه الله تعالى أو جبهها قائما والصحيح الأول كالتتابع في الصوم كذا في المحيط وغاية البيان ورجح الثاني في فتح القدير بحثاً بأن الصلاة عبارة عن القيام والقراءة

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نمازِ تراویح کے وقت اور اداء و قضاء کا حکم

جمہور فقہائے کرام کے نزدیک تراویح کا وقت، عشاء کی نماز کے بعد سے شروع ہو کر طلوع فجر تک جاری رہتا ہے۔

اور تراویح کو وتر سے پہلے پڑھنا، سنت ہے، لیکن اگر وتر کے بعد پڑھی جائے، تو حنفیہ کے نزدیک رائج یہ ہے کہ اس طرح بھی تراویح درست ہو جاتی ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إلى آخرها فهو الركن الأصلي غير أنه يجوز تركه إلى القعود رخصة في النفل فلا ينصرف المطلق إلا إليه قيدنا بكونه شرع قائما ثم قعد لأنه لو كان على عكسه فإنه يجوز اتفاقا وهو فعله - صلى الله عليه وسلم - كما روت عائشة أنه كان يفتح التطوع قاعدا فيقرأ ورده حتى إذا بقي عشر آيات ونحوها قام إلى آخره.

وهكذا كان يفعل في الركعة الثانية وذكر في التجنيس أن الأفضل أن يقوم فيقرأ شيئا ثم يركع ليكون موافقا للسنة ولو لم يقرأ ولكنه استوى قائما ثم ركع جاز وإن لم يستو قائما وركع لا يجزئه لأنه لا يكون ركوعا قائما ولا ركوعا قاعدا انتهى وليس هو بناء القوى على الضعيف لأن القعود والقيام في النفل سواء والفرق لمحمد بين هذا وبين قوله ببطلان صلاة المريض إذا قدر على القيام في أثناء صلاته أن تحريمة المتطوع لم تنعقد للقعود البتة بل للقيام لأنه أصل هو قادر عليه ثم جاز له شرعا تركه بخلاف المريض لأنه لم يقدر على القيام فما انعقد إلا للمقدور وهو القعود (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل، قوله ويتنفل قاعدا مع قدرته على القيام ابتداء وبناء) ۱۔ وقت صلاة التراويح:

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن وقت صلاة التراويح من بعد صلاة العشاء، وقبل الوتر إلى طلوع الفجر؛ لنقل الخلف عن السلف، ولأنها عرفت بفعل الصحابة فكان وقتها ما صلوا فيه، وهم صلوا بعد العشاء قبل الوتر؛ ولأنها سنة تبع للعشاء فكان وقتها قبل الوتر. ولو صلاها بعد المغرب وقبل العشاء

فجمهور الفقهاء وهو الأصح عند الحنفية على أنها لا تجزئ عن التراويح، وتكون نافلة عند المالكية، ومقابل الأصح عند الحنفية أنها تصح؛ لأن جميع الليل إلى طلوع الفجر قبل العشاء وبعدها وقت للتراويح؛ لأنها سميت قيام الليل فكان وقتها الليل.

وعلى الحنابلة عدم الصحة بأنها تفعل بعد مكتوبة وهي العشاء فلم تصح قبلها كسنة العشاء، وقالوا: إن التراويح تصلى بعد صلاة العشاء وبعد سنتها، قال المجد: لأن سنة العشاء يكره تأخيرها عن وقت العشاء المختار، فكان إتباعها لها أولى.

﴿بقية حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر تراویح، طلوع فجر سے پہلے نہ پڑھی جاسکے، تو اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اور اس کی قضاء بھی نہیں ہوتی۔ ۱

تراویح کی نماز کا عشاء کی نماز کے فوراً بعد پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ کچھ وقفہ کے بعد بلکہ رات کے کسی بھی حصہ میں پڑھ لینا جائز ہے۔ ۲

جس مرد یا عورت پر عشاء کے بعد نیند یا تھکن کا غلبہ ہو، تو اس کو چاہئے کہ کچھ دیر سولے یا آرام کر لے اور پھر تراویح پڑھ لے، کیونکہ تراویح کی نماز کا وقت طلوع فجر تک

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولو صلاھا بعد العشاء وبعد الوتر فالأصح عند الحنفية أنها تجزء.

وذهب الحنفية والشافعية إلى أنه يستحب تأخير التراويح إلى ثلث الليل أو نصفه، واختلف الحنفية في أدائها بعد نصف الليل، فقليل يكره؛ لأنها تبع للعشاء كسنتها، والصحيح لا يكره لأنها من صلاة الليل والأفضل فيها آخره.

وذهب الحنابلة إلى أن صلاتها أول الليل أفضل؛ لأن الناس كانوا يقومون على عهد عمر -رضي الله تعالى عنه- أوله، وقد قيل لأحمد: يؤخر القيام أي في التراويح إلى آخر الليل؟ قال: سنة المسلمين أحب إلي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۲۶، مادة "صلاة التراويح")

۱۔ قضاء التراويح:

إذا فاتت صلاة التراويح عن وقتها بطلوع الفجر، فقد ذهب الحنفية في الأصح عندهم، والحنابلة في ظاهر كلامهم إلى أنها لا تقضى؛ لأنها ليست بأكاد من سنة المغرب والعشاء، وتلك لا تقضى فكذلك هذه.

وقال الحنفية: إن قضاها كانت نفلاً مستحباً لا تراويح كرواتب الليل؛ لأنها منها، والقضاء عندهم من خواص الفرض وسنة الفجر بشرطها.

ومقابل الأصح عند الحنفية أن من لم يؤد التراويح في وقتها فإنه يقضيها وحده ما لم يدخل وقت تراويح أخرى، وقيل: ما لم يمض الشهر.

ولم نجد تصريحاً للمالكية والشافعية في هذه المسألة.

لكن قال النووي: لو فاتت النفل المؤقت ندب قضاؤه في الأظهر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۲۹، مادة "صلاة التراويح")

۲۔ والمستحب تأخيرها إلى ثلث الليل أو نصفه. واختلف في أدائها بعد النصف، فقليل يكره لأنها تبع للعشاء كسنتها والصحيح لا يكره لأنها صلاة الليل والأفضل فيها آخره (فتح القدير للكمال ابن الهمام، ج ۱، ص ۲۶۸، و ۲۶۹، كتاب الصلاة، باب النوافل، فصل في قيام شهر رمضان)

جاری رہتا ہے۔ ۱

اگر کوئی مرد یا عورت عشاء کے بعد کسی مصروفیت کی وجہ سے تراویح، یا اس کی کچھ رکعتیں نہ پڑھ سکے، تو اُسے چاہیے کہ فراغت کے بعد رات کے کسی حصہ میں طلوع فجر سے پہلے پہلے پڑھ لے۔ ۲

”تراویح“ کی جماعت

تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا مشروع ہے، اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک، تراویح کو جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت ہے۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک، تراویح کو جماعت کے ساتھ پڑھنا زیادہ صحیح قول کے مطابق سنت علی الکفایت ہے، لہذا اگر علاقہ کے تمام لوگ، تراویح کی جماعت ترک کر دیں گے، تو وہ برے فعل کے مرتکب ہوں گے، لیکن اگر علاقے میں جماعت کے ساتھ تراویح ادا کی جائے، اور پھر کچھ لوگ تراویح کی جماعت کو ترک کر دیں، اور وہ بغیر جماعت کے اپنے گھر میں پڑھ لیں، تو وہ گناہ گار تو نہیں ہوں گے، البتہ فضیلت سے محروم رہیں گے۔

پھر اگر وہ گھر میں جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھ لیں، تو جماعت کی فضیلت کو پالیں

۱۔ حدثنا عبد الله بن يوسف، قال: أخبرنا مالك، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا نعس أحدكم وهو يصلي فليرقد، حتى يذهب عنه النوم، فإن أحدكم إذا صلى وهو ناعس، لا يدري لعله يستغفر فيسب نفسه (بخاری، رقم الحديث ۲۱۲، باب الوضوء من النوم، ومن لم ير من النعسة والنعستين، أو الخفقة وضوءاً)

و کذا إذا غلبه النوم يكره له أن يصلي مع النوم بل ينصرف حتى يستيقظ لأن في الصلاة من النوم تهاوناً وغفلة وترك التدبر (فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص ۱۷۳، کتاب الصلاة، باب التراویح)

۲۔ والمستحب تأخيرها إلى ثلث الليل أو نصفه. واختلف في أدائها بعد النصف، فقيل يكره لأنها تبع للعشاء كسنتها والصحيح لا يكره لأنها صلاة الليل والأفضل فيها آخره (فتح القدير للحکمال ابن الهمام، ج ۱، ص ۲۶۸، و ۲۶۹، کتاب الصلاة، باب التراویح، فصل في قيام شهر رمضان)

گے، مسجد کی فضیلت نہیں پائیں گے۔

البتہ کسی عذر کی وجہ سے مسجد نہ آسکیں، تو پھر امید ہے کہ وہ عذر کی وجہ سے، مسجد کی فضیلت سے بھی محروم نہ ہوں گے۔

اور مالکیہ کے نزدیک اگر مساجد میں معتد بہ لوگ، تراویح کی نماز، باجماعت ادا کریں، اور مساجد کو معطل نہ کیا جائے، تو باقی لوگوں کے لیے تراویح کا گھروں میں پڑھنا مستحب ہے، جبکہ گھروں میں بشاشت کے ساتھ پڑھی جائے، اور تراویح کو ترک نہ کیا جائے۔

اور شافعیہ کے نزدیک بھی اصح قول کے مطابق، تراویح باجماعت پڑھنا سنت ہے۔ اور حنابلہ کے نزدیک تراویح کو جماعت کے ساتھ پڑھنا، تنہا پڑھنے کے مقابلے میں افضل ہے۔

اور نفسِ جماعت کی فضیلت دو افراد سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، اگرچہ دوسرا فرد سمجھ دار بچہ یا عورت کیوں نہ ہو۔ ۱

۱ الجماعۃ فی صلاة التراويح:

اتفق الفقهاء علی مشروعیۃ الجماعۃ فی صلاة التراويح؛ لفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما سبق، ولفعل الصحابة - رضوان اللہ تعالیٰ علیہم - ومن تبعہم منذ زمن عمر بن الخطاب - رضی اللہ عنہ -؛ ولا استمرار العمل علیہ حتی الآن.

وذهب جمهور الفقهاء إلى أن الجماعة فی صلاة التراويح سنة.

قال الحنفیة: صلاة التراويح بالجماعۃ سنة علی الکفایۃ فی الأصح، فلو ترکها کل أساءوا، أما لو تخلف عنها رجل من أفراد الناس وصری فی بیته فقد ترک الفضیلة، وإن صلی فی البیت بالجماعۃ لم ینل فضل جماعۃ المسجد.

وقال المالکیة: تندب صلاة التراويح فی البیوت إن لم تعطل المساجد، وذلك لخیر: علیکم بالصلاة فی بیوتکم، فإن خیر صلاة المرء فی بیته إلا الصلاة المكتوبة ولخوف الریاء وهو حرام، واختلفوا فیما إذا صلاها فی بیته، هل یصلیها وحده أو مع أهل بیته؟ قولان، قال الزرقانی: لعلهما فی الأفضلیة سواء.

ونذب صلاة التراويح -فی البیوت عندهم -مشروط بثلاثة أمور: أن لا تعطل المساجد، وأن ینشط لفعالها فی بیته، ولا یقعدها، وأن یرکب غیر آفاقی بالحرمین، فإن تخلف شرط کان فعلها فی المسجد أفضل، وقال الزرقانی: یرکب لمن فی المسجد الا فراد بها عن الجماعۃ التي یصلونها فیہ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ حنفیہ میں سے امام طحاوی رحمہ اللہ کے رُحمان کے مطابق، تراویح کی نماز کو مسجد کے بجائے گھر میں تنہا پڑھنا افضل ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأولى إذا كان انفراده يعطل جماعة المسجد .
وقال الشافعية :تسن الجماعة في التراويح على الأصح؛ لحديث عائشة -رضى الله تعالى عنها -
الذى سبق ذكره؛ وللاثر عن عمر -رضى الله تعالى عنه -ولعمل الناس على ذلك .
ومقابل الأصح عندهم أن الانفراد بصلاة التراويح أفضل كغيرها من صلاة الليل لبعده عن الرياء .
وقال الحنابلة :صلاة التراويح جماعة أفضل من صلاتها فرادى، قال أحمد :كان على وجابر وعبد
الله -رضى الله عنهم -يصلونها في الجماعة .
وفي حديث أبي ذر -رضى الله تعالى عنه -أن النبي صلى الله عليه وسلم جمع أهله ونساءه، وقال :
إن الرجل إذا صلى مع الإمام حتى ينصرف كتب له قيام ليلة .
وقالوا :إن تعدت الجماعة صلى وحده لعموم قول النبي صلى الله عليه وسلم :من قام رمضان
إيماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٤، ص ١٢٤، مادة "صلاة
التراويح")

۱ حدیثنا ابراہیم بن مرزوق ، قال : ثنا عفان بن مسلم ، قال : ثنا وهب ، قال : ثنا داود وهو ابن
أبي هند ، عن الوليد بن عبد الرحمن ، عن جبير بن نفير الحضرمي عن أبي ذر ، قال : صمت مع
رسول الله صلى الله عليه وسلم رمضان ، ولم يقم بنا ، حتى بقي سبع من الشهر . فلما كانت الليلة
السابعة خرج فصلى بنا ، حتى مضى ثلث الليل ، ثم لم يصل بنا السادسة ، حتى خرج ليلة الخامسة
، فصلى بنا حتى مضى شطر الليل . فقلنا : يا رسول الله ، لو نفلتنا؟ فقال : إن القوم إذا صلوا مع
الإمام حتى ينصرف ، كتب لهم قيام تلك الليلة ثم لم يصل بنا الرابعة حتى إذا كانت ليلة الثالثة ،
خرج وخرج بأهله ، فصلى بنا حتى خشينا أن يفوتنا الفلاح ، قلت : وما الفلاح . قال : السحور قال
أبو جعفر : فذهب قوم إلى أن القيام مع الإمام في شهر رمضان ، أفضل منه في المنازل ، واحتجوا في
ذلك بقول رسول الله صلى الله عليه وسلم : إنه من قام مع الإمام حتى ينصرف ، كتب له قنوت
بقية ليلته وخالفهم في ذلك آخرون ، فقالوا : بل صلاته في بيته أفضل من صلاته مع الإمام . وكان
من الحججة لهم في ذلك ، أن ما احتجوا به من قول رسول الله صلى الله عليه وسلم إنه من قام مع
الإمام حتى ينصرف كتب له قنوت بقية ليلته كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم . ولكنه قد
روى عنه أيضا أنه قال : خير صلاة المرء في بيته ، إلا المكتوبة ، في حديث زيد بن ثابت . وذلك
لما كان قام بهم ليلة في رمضان فأرادوا أن يقوم بهم بعد ذلك ، فقال لهم هذا القول . فأعلمهم به
أن صلاتهم في منازلهم وحدانا أفضل من صلاتهم معه في مسجده ، فصلاهم تلك في منازلهم
أحرى أن يكون أفضل من الصلاة مع غيره في غير مسجده . فتصحیح هذين الأثرين ، يوجب أن
حديث أبي ذر هو على أن يكتب له بالقيام مع الإمام ، قنوت بقية ليلته . وحديث زيد بن ثابت ،

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ تراویح کو گھر میں جماعت کے ساتھ اور بغیر جماعت کے پڑھنے کی بھی گنجائش ہے، بالخصوص جبکہ ضرورت کی وجہ سے ہو۔
لہذا کوئی موجودہ حالات میں گھر کے اندر باجماعت، یا بغیر جماعت کے تراویح پڑھ لے، تو وہ گناہ گار نہ ہوگا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یوجِبُ أَنْ مَا فَعَلَ فِي بَيْتِهِ هُوَ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ ، حَتَّى لَا يَتَضَادَّ هَذَا مِنَ الْأَثَرَيْنِ .
حدثنا ابن مرزوق ، وعلى بن عبد الرحمن ، قالوا : ثنا عفان ، قال : ثنا وهيب ، قال : ثنا موسى بن عقبة ، قال : سمعت أبا النصر ، يحدث عن بسر بن سعيد ، عن زيد بن ثابت " أن النبي صلى الله عليه وسلم احتججر حجرية في المسجد من حصير ، فصلى فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم ليالي ، حتى اجتمع إليه ناس ثم قلدوا صوته ، فظنوا أنه قد نام ، فجعل بعضهم يتنحح ليخرج إليهم ، فقال : ما زال بكم الذي رأيت من صنعكم منذ الليلة ، حتى خشيت أن يكتب عليكم قيام الليل ، ولو كتب عليكم ، ما قمتم به ، فصلوا أيها الناس في بيوتكم ، فإن أفضل صلاة المرء في بيته ، إلا المكتوبة .
حدثنا ابن أبي داود ، قال : ثنا الوحاظي ، قال : ثنا سليمان بن بلال ، قال : حدثني بردان إبراهيم بن أبي فلان ، وهو ابن أبي النصر ، عن أبيه ، عن بسر بن سعيد ، عن زيد بن ثابت ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال : صلاة المرء في بيته أفضل من صلاته في مسجدي هذا إلا المكتوبة .
حدثنا ربيع الجيزي ، قال : ثنا أسد ، وأبو الأسود ، قالوا : أنا ابن لهيعة ، عن أبي النصر ، عن بسر بن سعيد ، عن زيد بن ثابت ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : إن أفضل صلاة المرء ، صلاته في بيته إلا المكتوبة وقد روى عن غير زيد بن ثابت في ذلك ، عن النبي صلى الله عليه وسلم أيضا ما قد ذكرناه في باب التطوع في المساجد . ثبت بتصحيح معاني هذه الآثار ، ما ذكرناه . وقد روى في ذلك عن بعد النبي صلى الله عليه وسلم ما يوافق ما صححناها عليه .
فمن ذلك ما حدثنا فهد ، قال : ثنا أبو نعيم ، قال : ثنا سفيان ، عن عبيد الله ، عن نافع ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنه كان لا يصلي خلف الإمام في رمضان .
حدثنا أبو بكرة ، قال : ثنا مؤمل ، قال : ثنا سفيان ، عن منصور ، عن مجاهد ، قال : قال رجل لابن عمر رضی اللہ عنہما : أصلى خلف الإمام في رمضان؟ فقال : أتقرأ القرآن قال : نعم ، قال : صل في بيتك .

حدثنا فهد ، قال : ثنا أبو نعيم ، قال : ثنا سفيان ، عن أبي حمزة ، ومغيرة ، عن إبراهيم ، قال : لو لم يكن معي إلا سورتان لرددتهما ، أحب إلي من أن أقوم خلف الإمام في رمضان .
حدثنا روح بن الفرخ ، قال : ثنا يوسف بن عدي ، قال : ثنا أبو الأحوص ، عن مغيرة ، عن إبراهيم ، قال : كان المتهاجدون يصلون في ناحية المسجد ، والإمام يصلي بالناس في رمضان .
حدثنا أبو بكرة ، قال : ثنا روح بن عبادة ، قال : ثنا شعبة ، عن مغيرة ، عن إبراهيم ، قال : كانوا

﴿بقية حاشيا گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”تراویح“ میں ختم قرآن

حنابلہ اور اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی حضرت حسن کی روایت کے مطابق نماز تراویح میں ، قرآن مجید مکمل کرنا ، سنت ہے ، تا کہ لوگ نماز تراویح میں پورے قرآن مجید کو سن لیں۔

پھر حنفیہ کے نزدیک ایک مرتبہ قرآن مجید کو تراویح میں ختم کرنا ، سنت ہے ، جس کو لوگوں کی سستی کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا۔

لیکن بعض حضرات نے لوگوں کی حسبِ قدرت اور حسبِ شوق ، اس سے کم و بیش پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے ، خواہ قرآن مجید مکمل نہ ہو۔

ضرورت کے وقت ، یعنی جب کوئی حافظ قرآن میسر نہ ہو ، یا کسی کو پورا قرآن مجید سننا مشکل

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

یصلون فی رمضان ، فیؤمهم الرجل ، وبعض القوم یصلی فی المسجد وحده قال شعبۃ : سألت إسحاق بن سويد عن هذا ، فقال : كان الإمام هاهنا يؤمنا ، وكان لنا صف یقال له : صف القراء ، فنصلی وحدانا والإمام یصلی بالناس .

حدثنا أبو بكرة ، قال : ثنا مؤمل ، قال : ثنا سفیان ، عن أبي حمزة ، عن إبراهيم ، قال : لو لم یکن معی إلا سورة واحدة ، لکنت أن أرددها ، أحب إلی من أن أقوم خلف الإمام فی رمضان .

حدثنا یونس ، وفهد ، قال : ثنا عبد الله بن یوسف ، قال : ثنا ابن لهیعة ، عن أبي الأسود ، عن عروة أنه كان یصلی مع الناس فی رمضان ، ثم ینصرف إلی منزله ، فلا یقوم مع الناس .

حدثنا أبو بكرة ، قال : ثنا أبو داود ، قال : ثنا أبو عوانة ، قال : لا أعلمه إلا عن أبي بشر ، أن سعید بن جبیر ، كان یصلی فی رمضان فی المسجد وحده ، والإمام یصلی بهم فیہ .

حدثنا یونس ، قال : ثنا أنس ، عن عبید الله بن عمر ، قال : رأیت القاسم ، وسالما ، ونافعا ینصرفون من المسجد فی رمضان ، ولا یقومون مع الناس .

حدثنا ابن مرزوق ، قال : ثنا أبو داود ، قال : ثنا شعبۃ ، عن الأشعث بن سلیم ، قال : أتیت مكة ، وذلك فی رمضان ، فی زمن ابن الزبیر ، فكان الإمام یصلی بالناس فی المسجد ، وقوم یصلون

على حدة فی المسجد فهؤلاء الذین روینا عنهم ما روینا من هذه الآثار ، کلهم یفضل صلاحه وحده فی شهر رمضان ، على صلاحه مع الإمام ، وذلك هو الصواب (شرح معانی الآثار للطحاوی ،

ج ۱ ص ۳۳۹ الی ۳۵۲ ، کتاب الصلاة ، باب القیام فی شهر رمضان هل هو فی المنازل أفضل أم مع الإمام؟)

ہو، تو اس قول پر عمل کی بھی گنجائش ہے۔

اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک، امام کے لیے تراویح میں پورے مہینے کے اندر، ایک مرتبہ قرآن مجید کو ختم کرنا، مستحب ہے۔

اور اگر پورے مہینے ”سورت تراویح“ پڑھی جائے، تو تب بھی جائز ہے، کوئی گناہ نہیں، صرف خلاف اولیٰ ہے، اور ضرورت کے وقت اس پر عمل کرنا خلاف اولیٰ بھی نہیں۔ ۱

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر موجودہ حالات میں کچھ لوگ تراویح میں پورا قرآن مجید نہ

۱۔ القراءة وختم القرآن الكريم في التراويح:

ذهب الحنابلة وأكثر المشايخ من الحنفية وهو ما رواه الحسن عن أبي حنيفة إلى أن السنة أن يختم القرآن الكريم في صلاة التراويح لیسمع الناس جميع القرآن في تلك الصلاة.

وقال الحنفية: السنة الختم مرة، فلا يترك الإمام الختم لكسل القوم، بل يقرأ في كل ركعة عشر آيات أو نحوها، فيحصل بذلك الختم؛ لأن عدد ركعات التراويح في شهر رمضان ستمائة ركعة، أو خمسمائة وثمانون، وآى القرآن الكريم ست آلاف وشیء.

ويقابل قول هؤلاء ما قيل: الأفضل أن يقرأ قدر قراءة المغرب لأن النوافل مبنية على التخفيف خصوصاً بالجماعة، وما قيل: يقرأ في كل ركعة ثلاثين آية لأن عمر -رضى الله تعالى عنه- أمر بذلك، فيقع الختم ثلاث مرات في رمضان؛ لأن لكل عشر فضيلة كما جاءت به السنة، أوله رحمة وأوسطه مغفرة وآخره عتق من النار.

وقال الكاساني: أمر به عمر -رضى الله تعالى عنه- هو من باب الفضيلة، وهو أن يختم القرآن أكثر من مرة، وهذا في زمانهم، وأما في زماننا فالأفضل أن يقرأ الإمام على حسب حال القوم، فيقرأ قدر ما لا ينفهم عن الجماعة؛ لأن تكثير الجماعة أفضل من تطويل القراءة.

ومن الحنفية من استحب الختم ليلة السابع والعشرين رجاء أن ينالوا ليلة القدر، وإذا ختم قبل آخره. قيل: لا يكره له التراويح فيما بقى، قيل: يصلحها ويقرأ فيها ما يشاء.

وصرح المالكية والشافعية بأنه يندب للإمام الختم لجميع القرآن في التراويح في الشهر كله، وقراءة سورة في تراويح جميع الشهر تجزء، وكذلك قراءة سورة في كل ركعة، أو كل ركعتين من تراويح كل ليلة في جميع الشهر تجزء وإن كان خلاف الأولى إذا كان يحفظ غيرها أو كان هناك من يحفظ القرآن غيره، قال ابن عرفة: في المدونة لمالك: وليس الختم بسنة.

وقال الحنابلة: يستحب أن يبتدئ التراويح في أول ليلة بسورة القلم: (اقرأ باسم ربك) بعد الفاتحة لأنها أول ما نزل من القرآن، فإذا سجد للتلاوة قام فقرأ من البقرة نص عليه أحمد، والظاهر أنه قد بلغه في ذلك أثر، وعنه: أنه يقرأ بسورة القلم في عشاء الآخرة من الليلة الأولى من رمضان. قال الشيخ: وهو أحسن مما نقل عنه أنه يبتدئ بها التراويح ويختم آخر ركعة من التراويح قبل ركوعه ويدعو، نص عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۳۸، مادة ”صلاة التراويح“)

سُن سکیں، اور وہ گھر میں سورہ تراویح پڑھ لیں، تو وہ گناہ گار نہیں ہوں گے۔

تراویح میں مسبوق کا حکم

اگر کوئی تراویح میں ایسے وقت پہنچا کہ امام، وتر شروع کر چکا تھا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کو وتر پڑھنا جائز ہے، جس کے بعد، اس کو باقی ماندہ تراویح کا پڑھنا جائز ہے۔

اور دوسرے فقہائے کرام کے اقوال اس میں مختلف ہیں۔ ۱۔
اگر کسی شخص کی عشاء کی جماعت نکل گئی اور تراویح شروع ہو چکی ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس شخص کو چاہئے کہ پہلے عشاء کے صرف فرض پڑھے اور پھر تراویح میں شریک ہو اور اس دوران جو تراویح کی رکعتیں رہ جائیں انہیں بعد میں ادا کرے، یہ باقی ماندہ رکعتیں و تروں کے بعد بھی ادا کی جاسکتی ہیں۔ ۲۔

۱۔ المسبوق فی التراویح:

قال الحنفیة: من فاتته بعض التراویح وقام الإمام إلى الوتر أوتر معه ثم صلى ما فاتته .
وقال المالكية: من أدرك مع الإمام ركعة فلا يخلو أن تكون من الركعتين الأخيرتين من التروية أو من الأوليين، فإن كانت من الأخيرتين فإنه يقضى الركعة التي فاتته بعد سلام الإمام في أثناء فترة الراحة، وإن كانت من الركعتين الأوليين فقد روى ابن القاسم عن مالك أنه لا يسلم سلامه ولكن يقوم فيصحب الإمام فإذا قام الإمام من الركعة الأولى من الأخيرين تشهد وسلم ثم دخل معه في الركعتين الأخيرين فصلى منهما ركعة ثم قضى الثانية منهما حين انفراد بالنتفل .

وعند الحنابلة: سئل أحمد عن أدرك من تروية ركعتين يصلى إليها ركعتين؟ فلم ير ذلك، وقال: هي تطوع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۳۹، مادة "صلاة التراویح")

۲۔ وقال عامة مشايخنا: إن التراویح وسائر السنن تتأدى بمطلق النية (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۸۸، كتاب الصلاة، فصل في سنن صلاة التراویح)

(قوله: لأنها تتبع للعشاء إلى آخره) أي حتى أن من دخل المسجد والإمام يصلى التراویح يصلى العشاء أولاً، ثم يتبع إمامه والأصح أن يترك السنة. اهـ. كاكى (حاشية الشلبى على تبیین الحقائق، ج ۱، ص ۱۷۸، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

(ووقتہ) أي وقت التراویح ذكره باعتبار الفعل او النقل المذكور (بعد العشاء لا يجوز قبلها) سواء كانت بعد الوتر أو قبله (وهو المختار) لأنها نافلة شرعت بعد العشاء فكانت تبعاً لها كسنتها (منية المصلى وغنية المبتدى، ج ۱، ص ۲۲۵، ومن السنن المؤكدة التراویح)

﴿بقیہ حاشیا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نابالغ کی اقتداء میں تراویح پڑھنے کا حکم

نابالغ کی اقتداء میں، نابالغ کو نماز پڑھنا، تو بلا اختلاف جائز ہے۔
جہاں تک نابالغ کی اقتداء میں، بالغ کے نماز پڑھنے کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں فقہائے
کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک، اور حنابلہ کے مختار قول کے مطابق، غیر فرض ادا کرنے والے کی
اقتداء میں، فرض نماز ادا کرنے والے، شخص کو نماز پڑھنا جائز نہیں۔
البتہ شافعیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق، بعض شرائط کے ساتھ جائز
ہے۔ ۱

اس بناء پر حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک، اور حنابلہ کی مختار روایت کے مطابق، نابالغ کی اقتداء

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لو اقتدی من لم یصل السنة بعد العشاء بمن یصلی التراویح ونوی سنة العشاء جاز (الفتاویٰ الہندیہ،
ج ۱، ص ۱۷۱، کتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فی التراویح)
ولو اقتدی من یصلی التسلیمة الأولى بمن یصلی التسلیمة الثانية قیل: لا یجوز اقتداؤہ، وقیل:
یجوز وهو الصحیح؛ لأن الصلاة متحدة فكان نية الأولى والثانية لغوا، ولهذا صح اقتداء مصلی
الركعتین بمصلی الأربع قبلہ فكذا هذا (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۸۸، کتاب الصلاة، فصل فی سنن
صلاة التراویح)

۱ اقتداء المفترض بالمتفعل:

جمهور الفقہاء (الحنفیة والمالکیة، وهو المختار عند الحنابلہ) علی عدم جواز اقتداء المفترض
بالممتنفل، لقوله صلى الله عليه وسلم: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه ولقوله عليه
السلام: الإمام ضامن ومقتضى الحدیثین ألا يكون الإمام أضعف حالا من المقتدى، ولأن صلاة
المأموم لا تؤدى بنية الإمام، فأشبهت صلاة الجمعة خلف من یصلی الظهر .
وقال الشافعیة، وهو الرواية الثانية عند الحنابلہ: یصح اقتداء المفترض بالمتفعل بشرط توافق نظم
صلاتيهما، لما ورد فی الصحیحین: أن معاذًا كان یصلی مع النبی صلى الله عليه وسلم عشاء
الآخرة، ثم یرجع إلى قومه فیصلی بهم تلك الصلاة .

فإن اختلف فعلهما كمنكوبة وكسوف أو جنازة، لم یصح الاقتداء فی ذلك علی الصحیح
لمخالفته النظم وتعذر المتابعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۶ ص ۳۲، مادة "اقتداء")

میں، بالغ شخص کو فرض نماز پڑھنا جائز نہیں۔

البتہ شافعیہ کے نزدیک نابالغ بچے کی اقتداء میں بالغ شخص کو فرض نماز کا پڑھنا بھی جائز ہے، جبکہ وہ نابالغ بچہ سمجھا رہا ہو۔ ۱

جہاں تک غیر فرض نماز کا تعلق ہے، جیسا کہ تراویح کی نماز، تو حنفیہ کی مختار روایت کے مطابق، اور مالکیہ اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق، اس میں بھی، بالغ شخص کو، نابالغ کی اقتداء کرنا جائز نہیں۔

لیکن شافعیہ کے نزدیک نابالغ سمجھا رہے بچے کا تراویح میں بالغ کی امامت کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے، کیونکہ ان کے نزدیک فرض نماز میں بھی ایسا کرنا جائز ہے۔

نیز مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق، اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق، اور بعض حنفیہ کے نزدیک بھی، نابالغ سمجھا رہے بچے کا، تراویح میں بالغ کی امامت کرنا جائز ہے۔ ۲

۱۔ ویتفرع علی هذه المسألة اقتداء البالغ بالصبي في الفرض، فإنه لا يجوز عند جمهور الفقهاء (الحنفية والمالكية والحنابلة) لقول الشعبي: لا يؤم الغلام حتى يحتلم. ولأنه لا يؤمن من الصبي الإخلال بشرط من شرائط الصلاة.

وقال الشافعية: يصح اقتداء البالغ الحر بالصبي المميز، ولو كانت الصلاة فرضاً، للاعتداد بصلاته، لأن عمرو بن سلمة "كان يؤم قومه على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو ابن ست أو سبع سنين. لكنهم صرحوا بکراهة الاقتداء بالصبي المميز (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۶ ص ۳۲، ۳۳، مادة "اقتداء")

۲۔ هذا في صلاة الفريضة.

أما في النافلة فجاز اقتداء البالغ بالصبي عند بعض الحنفية، وهو المشهور عند المالكية، ورواية عند الحنابلة.

وفي المختار عند الحنفية، ورواية عند المالكية والحنابلة: لا يجوز لأن نفل الصغير دون نفل البالغ، حيث لا يلزمه القضاء بالإفساد، ولا يبنى القوى على الضعيف، كما علله الحنفية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۶ ص ۳۳، مادة "اقتداء")

البلوغ: فلا تصح إمامة المميز عند الجمهور للبالغ، في فرض أو نفل عند الحنفية، وفي فرض فقط عند المالكية والحنابلة.

أما في النفل ككسوف وتراویح فتصح إمامته لمثله، لأنه متفل يوم متفلاً، ودليلهم ما روى الأثرم عن ابن مسعود وابن عباس: لا يؤم الغلام حتى يحتلم ولأن الإمامة حال كمال، والصبي ليس من

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حنفیہ کا نابالغ کی اقتداء میں، بالغ کے تراویح پڑھنے کے بارے میں مختار اور واضح قول تو یہی ہے کہ جائز نہیں، جس کو عام مشائخ نے اختیار کیا ہے، اور اس کو ”ظاہر الروایۃ“ بھی قرار دیا ہے۔

لیکن حنفیہ کے ”مشائخ خراسان“ اور ”مشائخ بلخ“ کے نزدیک، نابالغ کی اقتداء میں بالغ کا تراویح پڑھنا، جائز ہے۔

اگر کسی ضرورت و مجبوری کی صورت میں، نابالغ سمجھدار بچے کی اقتداء میں، بالغ کی تراویح پڑھی جائے، مثلاً اس کے مقابلے میں، کسی دوسرے بالغ، صحیح قرآن پڑھنے والے حافظ کی دستیابی مشکل ہو، یا نابالغ سمجھدار حافظ قرآن لڑکے کا تراویح میں قرآن سنائے بغیر، حفظ یاد رکھنا مشکل ہو، تو ہمارا رجحان، اس کے جائز ہونے کی طرف ہے، بشرطیکہ کوئی فتنہ و انتشار لازم نہ آئے، اور مقتدی اس پر راضی ہوں، جیسا کہ گھر کے افراد، اس کی اقتداء میں تراویح ادا کریں، تو اس کو درست قرار دے دیا جائے گا۔

اگرچہ بعض دوسرے علماء اس صورت میں نابالغ حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنے کے بجائے، تنہا یا جماعت کے ساتھ سورۃ تراویح پڑھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ۲

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أهل الكمال، ولأنه لا يؤمن الصبي لإخلاله بشروط الصلاة أو القراءة.

وقال الشافعية: يجوز اقتداء البالغ بالصبي المميز، لما روى عن عمرو بن سلمة قال: أمتت على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا غلام ابن سبع سنين والأصح صحة إمامة الصبي عندهم في الجمعة أيضاً، مع الكراهة (الفقه الاسلامي وادلتة للزحيلي، ج ۲ ص ۱۹۳، ۱۹۴، القسم الاول، الباب الثاني، الفصل العاشر، المبحث الاول، المطلب الثاني)

۲ (الفصل الثاني عشر في إمامة الصبي في التراويح) جوزها مشايخ خراسان رحمهم الله تعالى ورضى عنهم ولم يجوزها مشايخ العراق رحمهم الله تعالى - رضی اللہ عنہم - واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب (المبسوط للسرخسی، ج ۲ ص ۱۳۹، کتاب الصلاة، فصل إمامة الصبي في التراويح)

وأما اقتداء البالغ بالصبي في التطوع، فقد جوزها محمد بن مقاتل.....إليه خصوصاً في ليالي رمضان في التراويح، وبه قال مشايخ بلخ والأصح عندنا أنه لا يجوز؛ لأن نفل الصبي دون نفل البالغ حتى لا

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

یہ بھی یاد رہے کہ حنفیہ کے نزدیک بارہ سال سے پہلے لڑکا بالغ نہیں ہوتا، البتہ بارہ سال ہونے کے بعد اگر بالغ ہونے کی کوئی علامت (وشائی) ظاہر ہو جائے، مثلاً احتلام یا انزال

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یلزم الصبی القضاء بالإفساد بخلاف البالغ، وبناء القوى على الضعيف لا يجوز، كيف وقد قال النبي: عليه السلام؛ الإمام ضامن والصبى لا يصح منه ضمان فليس، فكيف يصح منه ضمان صلاة المقتدى (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج ۱ ص ۷۰، فصل فی بیان من هو آحق بالإمامة وفي بيان من يصح إماما لغيره، ومن لا يصح) وإمامة الصبی المراهق لصبيان مثله يجوز. كذا فی الخلاصة.

وعلى قول أئمة بلخ يصح الاقتداء بالصبيان فى التراویح والسنن المطلقة. كذا فی فتاوى قاضى خان المختار أنه لا يجوز فى الصلوات كلها. كذا فى الهداية وهو الأصح. هكذا فى المحيط وهو قول العامة وهو ظاهر الرواية. هكذا فى البحر الرائق (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۸۵، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الامامة، الفصل الثالث فى بيان من يصلح إماما لغيره)

وإمامة الصبی العاقل فى التراویح والنوافل المطلقة تجوز عند بعضهم ولا تجوز عند عامتهم، كذا فى محيط السرخسى (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۱۱۷، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراویح)

وأما الصبی فألأنه متفل فلا يجوز اقتداء المفترض به وفى التراویح والسنن المطلقة جوزہ مشايخ بلخ رحمهم الله ولم يجوزہ مشايخنا رحمهم الله ومنهم من حقق الخلاف فى النفل المطلق بين أبى يوسف ومحمد رحمهما الله والمختار أنه لا يجوز فى الصلوات كلها لأن نفل الصبی دون نفل البالغ حيث لا يلزمه القضاء بالإفساد بالإجماع ولا يبنى القوى على الضعيف بخلاف المظنون لأنه مجتهد فيه فاعتبر العارض عدما (الهداية فى شرح بداية المبتدى مع شرحه البناية، ج ۲ ص ۳۲۲، كتاب الصلاة، باب الامامة، امامة المرأة والصبى فى الصلاة)

(قوله جوزہ مشايخ بلخ) قياسا على المظنون، ولم يجوزہ مشايخنا البخاريون وقالوا: لا يجوز عندهم، ومنهم من حقق الخلاف بين أبى يوسف ومحمد فى النفل المطلق فقالوا إنه لا يجوز بلا خلاف بين أصحابنا فى السنن، وكذا فى النفل المطلق عند أبى يوسف، ويجوز فيه عند محمد، والمختار قول أبى يوسف (قوله ولا يبنى القوى على الضعيف) قد يقال ذلك فى الحسى، أما البناء الحكمى فلا، بل المانع فيه عدم المبنى عليه كما فى الفرض على النفل لانقضاء وصف الفرضية فى المبنى عليه، وقد يجاب بأن ذلك أيضا ثابت هنا، فإن نفل البالغ يصير واجب الإتمام، وهذا الوجوب منعدهم فى نفل الصبی. فإن قيل: فعلى هذا ينبغى جواز المظنون خلف ظهر الصبی. فالجواب هو غير محفوظ الرواية. ولنا أن نمنعه بناء على الفساد فى زعم المقتدى فإنه حال الشروع بظن الوجوب ويعلم انتفاء من ظهر الصبی (قوله بخلاف المظنون) وهو المؤدى على ظن قيام وجوبه إذا ظهر بعد إفساده عدم وجوبه بظهور أنه كان أداءه فإنه لا يجب قضاؤه. ومع هذا صح

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہونے کی وجہ سے غسل کی ضرورت پیش آجائے تو بالغ شمار کیا جائے گا اور اگر بالغ ہونے کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو، تو پھر پندرہ سال مکمل ہونے پر بالغ کہلائے گا۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بناء نفل البالغ عليه فقد بنى المظنون على غير المظنون. أوجب بأنه مجتهد فيه، إذ عند زفر يجب القضاء على الظان إذا أفسد المظنون قاسه على المتفق عليه من الإحرام بنسك مظنون فإنه مضمون حتى إذا ظهر له أن لا نسك عليه كان إحرامه لازما للنفل، والصدقة المظنون وجوبها إذا تبين أن لا شيء عليه ليس له أن يستردها من الفقير. والجواب الفرق بالعلم بفرق الشرع فإنه ظهر منه أن لا يخرج من إحرامه ولو عرضت ضرورة توجب رفضه إلا بأفعال أو دم ثم قضاء أصله من أحصر واضطر إلى ذلك أو فاته الحج لم يتمكن شرعا من الخروج بلا لزوم شيء ثم القضاء؛ وأما الصدقة فإن الدفع على ذلك الظن يوجب أمرين: سقوط الواجب، وثبوت الثواب، فإذا كان الواجب منتفيا في نفس الأمر ثبت الآخر لأنه دفعه تقربا إلى الله تعالى يطلب به ثوابه وقد حصل، وثبت الملك بواسطة ذلك للفقير فلا يتمكن من رفعه، بخلاف من دفع لقضاء دين بظنه ولا دين فإنه لم يثبت فيه ملك المدفوع إليه فكان بسبيل من أن يسترده، وأما الصلاة فقد ثبت شرعا قبول ما هو منها للرفض إجماعا كما في زيادة ما دون الركعة وتمام الركعة أيضا على الخلاف فلم يلزم لزومها إذا ظهر عدم وجوبها، والحال أنه لم يفعلها إلا مسقطا والله سبحانه وتعالى أعلم. وسقوط الضمان عندنا بعراض الظن والأصل في نفل البالغ الضمان، والعارض لا يعارض الأصل فاعتبر عارض الظن عدما في حق المقتدي فاتحد حالهما فكان اقتداء المظنون بالمظنون نظرا إلى الأصل، وسقوط الوصف هنا بأمر أصلي وهو الصبا فلم يصح جعله معدوما في حق المقتدي فلم يتحد حالهما كذا في الكافي. وما نقل من المحسن من أن اختلافهم راجع إلى أن صلاة الصبي صلاة أم لا. فقيل لا، وإنما يؤمر بها تخلقا دل عليه لو صلت المراهقة بغير قناع جازت، وقيل نعم دل عليه لو قهقهت فيها أمرت بالوضوء فيه نظر، بل لو اتفق على أنها صلاة صح الخلاف، فإن دليل المانع يتناولها بتقدير كونها صلاة، نعم لو اتفق على أنها ليست صلاة لم يأت، الخلاف في عدم الجواز (فتح القدير، ج ۱ ص ۳۵۷، ج ۲ ص ۳۵۹، كتاب الصلاة، باب الامامة)

۱ عن نافع، عن ابن عمر قال: عرضت على رسول الله صلى الله عليه وسلم في جيش وأنا ابن أربع عشرة فلم يقبلني، فعرضت عليه من قابل في جيش وأنا ابن خمس عشرة فقبلني قال نافع: وحدثت بهذا الحديث عمر بن عبد العزيز، فقال: هذا حد ما بين الصغير والكبير، ثم كتب أن يفرض لمن يبلغ الخمس عشرة حدثنا ابن أبي عمر قال: حدثنا سفیان بن عیینة، عن عبيد الله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم نحو هذا، ولم يذكر فيه أن عمر بن عبد العزيز كتب أن هذا حد ما بين الصغير والكبير وذكر ابن عيينة في حديثه: حدثت به عمر بن عبد العزيز، فقال: هذا حد ما بين الذرية والمقاتلة: هذا حديث حسن صحيح والعمل على هذا عند أهل العلم، وبه يقول سفیان الثوري، وابن المبارك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق يرون أن الغلام

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بالغ ہونے میں قمری یعنی چاند کی تاریخوں اور سال کا اعتبار ہوتا ہے۔ ۱۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إذا استكمل خمس عشرة سنة فحكمه حكم الرجال، وإن احتلم قبل خمس عشرة فحكمه حكم الرجال وقال أحمد، وإسحاق: البلوغ ثلاثة منازل بلوغ خمس عشرة، أو الاحتلام فإن لم يعرف سنه ولا احتلامه فالإنبات يعني العانة (سنن الترمذی، رقم الحديث ۱۳۶۱، أبواب الأحكام، باب ما جاء في حد بلوغ الرجل والمرأة)

(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۶، ص ۵۳، كتاب الحجر)

(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) (الدر المختار مع رد المحتار، ج ۶، ص ۵۳، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام)

(قولہ: فإن لم يوجد فيهما) أى فى الغلام والجارية شيء مما ذكر الخ مفاده: أنه لا اعتبار لنبات العانة خلافاً للشافعى، ورواية عن أبى يوسف، ولا للحنفية، وأما نهود الثدي فذكر الحموى أنه لا يحكم به فى ظاهر الرواية، وكذا نقل الصوت كما فى شرح النظم الهاملى أبو السعود وكذا شعر الساق والإبط والشارب). قولہ: به يفتى) هذا عندهما وهو رواية عن الإمام وبه قالت الأئمة الثلاثة، وعند الإمام حتى يتم له ثمانى عشرة سنة ولها سبع عشرة سنة (رد المحتار، ج ۶، ص ۵۳، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام)

۱۔ وَقَدْرَةُ مَنَازِلُ وَالضَّمِيرُ لِكُلِّ وَاحِدٍ أَيْ قَدْرُ مَسِيرِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَنَازِلُ - او قدر كل واحد منهما ذاً منازل - او للقمر وتخصيصه بالذكر لمعانة منازل واناطة احكام الشرع من الصوم والزكوة والحج به - ولذلك علله بقوله لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ يَعَدُّ الْأَشْهُرَ الْمُنَوَّطَةَ بِسِيرِ الْقَمَرِ وَالْحِسَابَ أَيْ حِسَابَ الْأَوْقَاتِ مِنَ الْأَشْهُرِ وَالْأَيَّامِ فِي مَعَامِلَاتِكُمْ وَتَصَرُّفَاتِكُمْ (التفسير المظهرى، ج ۵، ص ۹، سورة يونس، تحت آية ۵)

لتعلموا عدد السنين التى يتعلق بها غرض علمى لإقامة مصالحكم الدينية والدنيوية وَالْحِسَابَ أَيْ وَتَعْلَمُوا الْحِسَابَ بِالْأَوْقَاتِ مِنَ الْأَشْهُرِ وَالْأَيَّامِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا نِيَبُ بِهِ شَيْءٌ مِنَ الْمَصَالِحِ الْمَذْكُورَةِ (روح المعانى، ج ۶، ص ۶۷، سورة يونس، تحت آية ۵)

وقوله تعالى: وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ حِسَابَانَا، الْآيَةُ، وقوله فى هذه الآية الكريمة: وقدره أى القمر منازل لتعلموا عدد السنين والحساب فى الشمس تعرف الأيام وبسیر القمر تعرف الشهور والأعوام (تفسير ابن كثير، ج ۴، ص ۲۱۷، سورة يونس، تحت آية ۵)

قل هى مواقيت للناس والحج مطابقا مبينا للحكمة الظاهرة اللاتقة بشأن التبليغ العام المذكورة لنعمة الله تعالى ومزيد رافته سبحانه وهى أن يكون معالم للناس يوقتون بها أمورهم الدنيوية ويعلمون أوقات زروعهم ومتاجرهم ومعالم للعبادات الموقته يعرف بها أوقاتها كالصيام والإفطار

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تراویح میں عورت کی امامت

چاروں فقہائے کرام یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کا مرد کی امامت کرنا جائز نہیں، اگر کوئی مرد کسی خاتون کی اقتداء میں نماز پڑھے تو اس مرد کی نماز درست نہیں ہوتی۔

اور اگر خواتین کسی عاقل بالغ خاتون کی اقتداء میں نماز پڑھیں، تو وہ نماز درست تو ہو جاتی ہے، لیکن آیا کہ ایسا کرنا خواتین کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض جائز یا مستحب اور بعض مکروہ یا ناجائز قرار دیتے ہیں۔

امام شافعی اور راجح قول کے مطابق امام احمد رحمہما اللہ عورتوں کی جماعت کو جس میں عورت امام ہو، مستحب اور امام احمد ایک روایت کے مطابق جائز قرار دیتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کی امامت کرنا بہر حال جائز نہیں۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وخصوصا الحج، فإن الوقت مراعى فيه أداء وقضاء (روح المعانی، ج ۱، ص ۴۶۷، سورة البقرة، تحت آية ۱۸۹)

(يسألونك عن الأهلة قل هي مواقيت للناس والحج)، فاعلمنا عز وجل أن الأهلة مواقيت لنا ولحجنا، ولما سوى ذلك مما نحتاج إلى الأوقات فيه من أمور ديننا من الصيام، والعدد، والإبلاغات، وما أشبه ذلك (احكام القرآن للطحاوى، ج ۱، ص ۴۳۱، كتاب الصيام)

۱ المرصد الثانى: فى ذكر اختلاف المذاهب فى هذه المسألة: اعلم أنه وقع الاختلاف فى أنه هل جماعة النساء وحدهن مشروعة أم غير مشروعة: فذهب الشافعى إلى استحبابها، وهو قول الأوزاعى والثورى وأحمد، وحكاه ابن المنذر عن عائشة وأم سلمة. وقال النخعى والشعبى: تؤمهن فى النفل دون الفرض. وشذ أبو ثور والمزنى ومحمد بن جرير الطبرى فأجازوا إمامة النساء على الإطلاق للرجال وللنساء. وعند الحسن البصرى ومالك: لا تؤم المرأة أحدا لا فى فرض ولا فى نفل، كذا ذكره العيني فى (البنابة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہمیں دلائل میں غور و فکر کرنے سے راجح یہ معلوم ہوا کہ شریعت نے عورتوں کو جماعت کرنے کی تاکید اور ترغیب نہیں دی، بلکہ اُن کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے، نیز خیر القرون کے دور میں عورتوں کی امامت و جماعت کا طریقہ معروف اور راجح نہ تھا، البتہ بعض خواتین کی امامت کے چند واقعات کا روایات و آثار اور خیر القرون میں ذکر ملتا ہے، اور صحابہ و تابعین کے کئی آثار سے اس کی اجازت ملتی ہے، جن کے پیش نظر اگر کبھی کوئی عورت دوسری عورتوں کی امامت کرے، اور اُن کی امام درمیان میں کھڑی ہو، اور کوئی دوسری

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والمشهور من مذاهب أصحابنا: أن جماعة النساء وحدهن مكروهة، وهو المذكور في كثير من الكتب الفقهية لأصحابنا الحنفية، وعلوا الكراهة بتعليقات متفرقة، وأجابوا عن الأخبار المذكورة بجوابات غير شافية (تحفة النبلاء في جماعة النساء للكنوي، ص ۸، المرصد الثاني، مشمولة مجموعة رسائل اللكنوي، ج ۵؛ مطبوعة ادارة القرآن كراتشي)

يشترط لإمامة الرجال أن يكون الإمام ذكراً، فلا تصح إمامة المرأة للرجال، وهذا متفق عليه بين الفقهاء، لما ورد في الحديث أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أخروهن من حيث أخرهن الله والأمر بتأخيرهن نهى عن الصلاة خلفهن. ولما روى جابر مرفوعاً: لا تؤمن امرأة رجلاً ولأن في إمامتها للرجال افتتاناً بها. أما إمامة المرأة للنساء فجائزة عند جمهور الفقهاء (وهم الحنفية والشافعية والحنابلة) واستدل الجمهور لجواز إمامة المرأة للنساء بحديث أم ورقة أن النبي صلى الله عليه وسلم أذن لها أن تؤمن نساء أهل دارها. لكن كره الحنفية إمامتها لهن، لأنها لا تخلو عن نقص واجب أو مندوب، فإنه يكره لهن الأذان والإقامة، ويكره تقدم المرأة الإمام عليهن. فإذا صلت النساء صلاة الجماعة بإمامة امرأة وقفت المرأة الإمام وسطهن.

أما المالكية فلا تجوز إمامة المرأة عندهم مطلقاً ولو لمثلها في فرض أو نفل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۶، ص ۲۰۵، ۲۰۶، مادة "إمام")

ذهب المالكية إلى أن الذكورة شرط لإمامة الصلاة، وأنه لا يجوز أن تؤمن المرأة رجلاً ولا امرأة مثلها، سواء كانت الصلاة فريضة أو نافلة، وسواء عدت الرجال أو وجدت لحديث: لن يفاح قوم ولوا أمرهم امرأة. وتبطل صلاة المأموم دون المرأة التي صلت إماماً فصحت صلاتها.

ووافقهم الحنفية والشافعية والحنابلة والفقهاء السبعة - من فقهاء المدينة - في منع إمامتها للرجال، لما روى جابر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: لا تؤمن امرأة رجلاً، إلا أنهم خالفوا المالكية في مسألة إمامة المرأة للنساء فيرون أن هذا جائز، والحنفية يرون كراهة إمامتها للنساء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۲۶۶، مادة "ذكورة")

خرابی بھی لازم نہ آئے، تو فی نفسہ اس کی گنجائش ہے۔
اس کو مکروہ تحریمی قرار دینا محل نظر ہے، البتہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی، یا خلاف اولیٰ کے طور پر جائز قرار دیا جاسکتا ہے، جس میں گناہ لازم نہیں آتا، جبکہ بلا ضرورت ایسا کیا جائے۔
اور اگر کسی ضرورت سے ایسا کرے، تو پھر بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔
اسی بناء پر اگر کوئی حافظہ عورت، قرآن مجید حفظ یاد رکھنے کی غرض سے عورتوں کی تراویح میں امامت کرے، تو جائز ہے، جس کی بعض اہل افتاء حضرات نے بھی گنجائش دی ہے۔
البتہ ایسی صورت میں عورتوں ہی کو مقتدی بن کر شرکت کرنا جائز ہوگا، اور عورت کو مرد امام کی طرح، آگے کھڑے ہونے کے بجائے، درمیان میں کھڑا ہونا چاہئے۔
اور عورت کو اپنی آواز کو نامحرم تک پہنچانے سے بھی بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔
ایسی صورت میں حافظ قرآن عورت کی اقتداء میں دوسری قرآن سننے والی عورت کا ضرورت پڑنے پر اپنی امام کو لقمہ دینا بھی جائز ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔
(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ہمارا رسالہ ”خواتین کی امامت و جماعت کا شرعی حکم“، مشمولہ: علمی و تحقیقی رسائل، جلد 10)

تراویح میں عورت کا، مرد امام کو لقمہ دینا

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ عورت کا، مرد کی مقتدی بن کر تراویح پڑھنا جائز ہے۔
اگر کوئی عورت، مرد کی مقتدی بن کر تراویح پڑھے، اور وہ حافظ قرآن ہو، تو امام کو متشابہ لگنے کے بعد، لقمہ دینے کے متعلق سوال پیش آتا ہے، تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو بات کرتے وقت آواز میں نرمی و لطافت پیدا کرنے سے منع کیا ہے، اور اس کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے جس کے دل میں مرض ہو، اس کو اس طرح کی آواز میں خاص کشش کی وجہ سے، نفسانی خواہش اور شہوت پیدا ہوگی اور فتنہ لازم آئے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ
بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا (سورة

الاحزاب، رقم الآية ۳۲)

ترجمہ: اے نبی کی عورتو! نہیں ہو تم عورتوں میں سے کسی کی طرح (کی عام
عورتیں) اگر تم تقویٰ اختیار کرو، تو نرمی نہ کرو بات کرتے وقت، پس طمع کرے گا
وہ شخص جس کے دل میں مرض ہے، اور کہا کرو تم مناسب بات (سورہ احزاب)

اس آیت سے بہت سے مفسرین اور اہل علم حضرات نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عورت کو اپنی
آواز میں ایسا نرمی اور کشش والا انداز اختیار کرنا منع ہے، جس سے سننے والے کے دل میں

فتنہ پیدا ہو۔ ل

ل ومعنی لا تخضعن بالقول لا تجبن بقولكن خاضعا أى لينا خثلا على سنن كلام المريات
والموسمات، وحاصله لا تلن الكلام ولا ترققنه، وهذا على ما قيل فى غير مخاطبة الزوج ونحوه
كخاطبة الأجناب وإن كن محرمات عليهم على التأييد (تفسير روح المعاني، ج ۱ ص ۱۸۷، سورة الاحزاب)
فلا تخضعن بالقول أى لا تلن بالقول للرجال ولا ترققن الكلام فيطمع الذى فى قلبه مرض أى فجور
وشهوة وقيل نفاق والمعنى لا تقلن قولا يجد المنافع والفاجر به سبيلا إلى الطمع فيكن والمرأة
مندوبة إلى الغلظة فى المقال إذا خاطبت الأجناب لقطع الأطماع فيهن (تفسير الخازن،
ج ۳ ص ۲۲۳، سورة الاحزاب)

قوله تعالى: "فيطمع" بالنصب على جواب النهى "الذى فى قلبه مرض" أى شك ونفاق، عن
فتادة السدى. وقيل: تشوف الفجور، وهو الفسق والغزل، قاله عكرمة. وهذا أصوب، وليس
للفراق مدخل فى هذه الآية. وحكى أبو حاتم أن الأعرج قرأ "فيطمع" بفتح الياء وكسر الميم.
النحاس: أحسب هذا غلطا، وأن يكون قرأ "فيطمع" بفتح الميم 3 وكسر العين بعطفه على "
تخضعن" فهذا وجه جيد حسن. ويجوز "فيطمع" بمعنى فيطمع الخضوع أو القول (تفسير
القرطبي، ج ۱ ص ۱۷۷، سورة الاحزاب)

قوله تعالى فلا تخضعن بالقول فيطمع الذى فى قلبه مرض قيل فيه أن لا تلين القول للرجال على
وجه يوجب الطمع فيهن من أهل الرية وفيه الدلالة على أن ذلك حكم سائر النساء فى نهيهن عن
إلانة القول للرجال على وجه يوجب الطمع فيهن ويستدل به على رغبتهن فيهن والدلالة على أن
الأحسن بالمرأة أن لا ترفع صوتها بحيث يسمعه الرجال وفيه الدلالة على أن المرأة منهية عن

﴿بقيہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے علاوہ عورتوں کو مرد حضرات کے ساتھ جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھنے کی صورت میں امام سے غلطی ہونے پر اپنی آواز سے آگاہ کرنے کے بجائے، ہاتھ کی پشت پر دوسرا ہاتھ، مارنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

نیز احادیث میں کانوں کے زنا کا بھی ذکر آیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ کانوں کا زنا کانوں سے شہوت کی باتیں سننا ہے۔ ۱۔

جس کی بنا پر محدثین نے عورت کی آواز کے اس صورت میں سننے کو ممنوع قرار دیا ہے، جب اس کے سننے پر شہوت ابھرے اور فتنہ پیدا ہو۔ ۲۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الأذان وكذلك قال أصحابنا وقال الله تعالى في آية أخرى ولا يضرين بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن فإذا كانت منهية عن إسماع صوت خلخالها فكلامها إذا كانت شابة تخشى من قبلها الفتنة أولى بالنهي عنه (احكام القرآن للجصاص، ج ۵ ص ۲۲۹، سورة الاحزاب)

۱۔ عن سهل بن سعد رضى الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: التسبيح للرجال، والتصفيح للنساء (بخارى، رقم الحديث ۱۲۰۳)

عن أبي هريرة رضى الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: التسبيح للرجال، والتصفيح للنساء (بخارى، رقم الحديث ۱۲۰۳)

عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: كتب على ابن آدم نصيبه من الزنا، مدرک ذلك لا محالة، فالعينان زناهما النظر، والأذنان زناهما الاستماع، واللسان زناه الكلام، واليد زناها البطش، والرجل زناها الخطأ، والقلب يهوى ويتمنى، ويصدق ذلك الفرج ويكذبه (مسلم، رقم الحديث ۲۶۵۷ "۲۱")

۲۔ (والأذنان): بضم الذال، وتسكن (زناهما الاستماع) أى: إلى كلام الزانية أو الوساطة، فهو حظهما ولذنتهما به. قال ابن حجر أى: إلى صوت المرأة الأجنبية مطلقا بناء على أنه عورة، أو بشرط الفتنة بناء على الأصح أنه ليس بعورة (مرقاة المفاتيح، ج ۱ ص ۱۵۹، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر)

واحتج أهل المقالة الأولى أن التسبيح إنما كره للنساء، لأن صوت المرأة فتنة، ولهذا منعت من الأذان، والإقامة، والجهر بالقراءة فى الصلاة، واحتجوا بما رواه حماد بن زيد، عن أبي حازم، عن سهل بن سعد، فى هذا الحديث أن النبى، (صلى الله عليه وسلم)، قال: (من نابه شيء فى صلاته فليسبح الرجال، ولتصفح النساء) (شرح صحيح البخارى لابن بطال، ج ۳ ص ۱۹۳، ابواب تقصير الصلاة، باب التصفيح للنساء)

(قوله لان صوتها عورة) ليس بعورة على الصحيح، والافسدت صلاتها بالجهر ولا قائل به. اهـ. سندی (تقریرات الرافعی، ج ۱ ص ۱۵۶، باب صلاة العیدین)

البتہ اسی کے ساتھ بعض احادیث میں عورت کی خوش آوازی کے ساتھ اس کی آواز کو سننے کی گنجائش بھی آئی ہے۔ ۱۔

اس صورتِ حال کے پیش نظر بعض حضرات نے، اگرچہ عورت کی آواز کو ستر میں داخل قرار دے دیا ہے، جس کا نامحرم سے بہر حال پردہ ضروری ہوتا ہے، اور اسی قول کی بناء پر وہ اگر نماز میں اونچی آواز سے قرائت یا تکبیر وغیرہ کہے، تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں۔ ۲۔

لیکن اس کے باوجود، عورت کی اس طرح کی آواز کا نامحرم کو سننا جائز نہیں، جس میں اس

۱۔ (وعن بریدة): بالتصغير (قال: خرج رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في بعض مغازيه) أزمنا غزواته (فلما انصرف جائته) أى: النبى - صلى الله عليه وسلم - وفي نسخة جائت (جارية سوداء فقالت: يا رسول الله إنى كنت نذرت إن ردك الله صالحا) أى: منصورا وفي رواية: سالما (أن أضرب بين يديك) أى: قدامك وفي حضورك (بالدف): بضم الدال وتشديد الفاء وهو أفصح وأشهر، وروى الفتح أيضا هو ما يطبل به، والمراد به الدف الذى كان فى زمن المتقدمين، وأما ما فيه الجلال، فينبغى أن يكون مكروها اتفاقا، وفيه دليل على أن الوفاء بالندى الذى فيه قرينة واجب والسرور بمقدمه - صلى الله عليه وسلم - قرينة، سيما من الغزو الذى فيه تهلك الأنفس، وعلى أن الضرب بالدف مباح وفى قوله: (وأغنى): دليل على أن سماع صوت المرأة بالغناء مباح إذا خلا عن الفتنة (مرقاة المفاتيح، ج ۹ ص ۳۹۰، كتاب المناقب والفضائل، باب مناقب عمر رضى الله عنه)

۲۔ صوت المرأة عند الجمهور ليس بعورة؛ لأن الصحابة كانوا يستمعون إلى نساء النبى صلى الله عليه وسلم لمعرفة أحكام الدين، لكن يحرم سماع صوتها بالتطريب والتغيم ولو بتلاوة القرآن، بسبب خوف الفتنة.

وعبارة الحنفية: الراجع أن صوت المرأة ليس بعورة (الفقه الاسلامى وادلتها للزحيلي، ج ۱ ص ۷۵۵، القسم الاول، الباب الثانى، الفصل الرابع)

أما صوت المرأة فليس بعورة عند الشافعية. ويجوز الاستماع إليه عند أمن الفتنة، وقالوا: وندب تشويبه إذا قرع بابها فلا تجيب بصوت رخيم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳ ص ۴۷، مادة "عورة")

ولا يظن من لا فطنة عنده أنا إذا قلنا صوت المرأة عورة أنا نريد بذلك كلامها، لأن ذلك ليس بصحيح، فإذا نجيز الكلام مع النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك، ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما فى ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم، ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة. اهـ. قلت: ويشير إلى هذا تعبير النوازل بالغممة (رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۴۰۶، باب شروط الصلاة)

عورت کی طرف کشش پیدا ہو، خواہ قرآن مجید کی تلاوت ہو، یا نظم و نعت وغیرہ۔ ۱۔
اسی بناء پر عورت کی اذان کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس میں ترنم ہوتا ہے، جس کو سُن کر
نا محرم کے دل میں شہوت ابھرتی ہے۔

لہذا عورت کی نعت، یا تلاوت وغیرہ، جو اس انداز کی ہو کہ اس کو سُن کر شہوت ابھرتی ہو، تو اس
کا نا محرم کو سننا جائز نہیں۔

ہمارے نزدیک یہی قول راجح ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۔

۱۔ سامع صوت المرءة إن كان يتلذذ به أو خاف على نفسه فتنة حرم عليه استماعه وإلا
فلا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۵ ص ۲۳۶، مادة "سماع")
استماع صوت المرأة:

إذا كان مبعث الأصوات هو الإنسان، فإن هذا الصوت إما أن يكون غير موزون ولا مطرب، أو
يكون مطرباً.

فإن كان الصوت غير مطرب، فإما أن يكون صوت رجل أو صوت امرأة، فإن كان صوت رجل: فلا
قائل بتحريم استماعه.

أما إن كان صوت امرأة، فإن كان السامع يتلذذ به، أو خاف على نفسه فتنة حرم عليه استماعه، وإلا
فلا يحرم، ويحمل استماع الصحابة رضوان الله عليهم أصوات النساء حين محادثتهن على هذا،
وليس للمرأة ترخيم الصوت وتنغيمه وتليينه، لما فيه من إثارة الفتنة، وذلك لقوله تعالى: (فلا
تخضعن بالقول فيطمع الذي في قلبه مرض) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴ ص ۹۰، مادة "استماع")

۲۔ وصرح في النوازل بأن نعمة المرأة عورة وبنى عليه أن تعلمها القرآن من المرأة أحب إلى من
تعلمها من الأعمى ولهذا قال - صلى الله عليه وسلم - التسييح للرجال والتصفيق للنساء فلا يجوز
أن يسمعها الرجل ومشى عليه المصنف في الكافي فقال ولا تلبى جهراً؛ لأن صوتها عورة ومشى
عليه صاحب المحيط في باب الأذان وفي فتح القدير وعلى هذا لو قيل إذا جهرت بالقرآن في
الصلاة فسدت كان متجهاً. ۱ھ.

وفى شرح المنية الأشبه أن صوتها ليس بعورة، وإنما يؤدي إلى الفتنة كما علل به صاحب الهداية
وغیره فی مسألة التلبیة ولعلهن إنما منعن من رفع الصوت بالتسييح في الصلاة لهذا المعنى ولا يلزم
من حرمة رفع صوتها بحضرة الأجانب أن يكون عورة كما قدمناه (البحر الرائق)،
ج ۱ ص ۲۸۵، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة)

(قوله: وبنى عليه أن تعلمها القرآن من المرأة أحب إلى الخ) قال في النهر فيه تدافع إلا أن يكون
معنى التعلم أن تسمع منه فقط لكن حينئذ لا يظهر البناء عليه. ۱ھ.

أقول: التدافع مدفوع وذلك لأن المعنى أحب إلى كونه مختاراً لي وذلك لا يستلزم تجویز غیره

﴿بقیہ حاشیہ گل صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جب محققین کے نزدیک، عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں، تو نماز میں اونچی آواز سے قرائت کرنے یا تکبیر وغیرہ کہنے سے، اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ بلا ضرورت اس کو ایسا عمل اختیار کرنا، پسندیدہ نہیں ہوگا، بالخصوص جبکہ اس کی آواز نامحرم لوگوں کے کانوں میں جائے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بل اختیارہ ایہا یقتضی عدم تجویز غیرہ، وقد یقال المراد بالنعمة ما فیہ تمطیط وتلبین لا مجرد الصوت وإلا لما جاز کلامها مع الرجال أصلا لا فی بیع ولا غیرہ ولیس كذلك ولما كانت القراءة مظنة حصول النعمة معها منعت من تعلمها من الرجل ويشهد لما قلنا ما فی إمداد الفتح عن خط شیخہ العلامة المقدسی ذکر الإمام أبو العباس القرطبی فی کتابہ فی السماع ولا یظن من لا فطنة عنده أنا إذا قلنا صوت المرأة عورة أنا نريد بذلك کلامها؛ لأن ذلك ليس بصحيح فإنما نجيز الكلام مع النساء الأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تلبینها وتقطيعها لما فی ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم ومن هذا لم یجز أن تؤذن المرأة .اهـ.

وہذا یفید أن العورة رفع الصوت الذي لا یخلو غالبا عن النعمة لا مطلق الكلام فلما كانت القراءة لا تخلو عن ذلك قال أحب إلى فلیتأمل (منحة الخالق علی البحر الرائق، ج ۱ ص ۲۸۵، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة)

قوله: "إن صوتها عورة" هو ما فی النوازل وجری علیہ فی المحيط والکافی حیث عللا عدم جهرها بالتلبیة بأن صوتها عورة قال فی الفتح وعلی هذا لو قیل إذا جهرت بالقراءة فی الصلاة فسدت کان متجها لکن قال ابن امیر حاج الأشبه أنه ليس بعورة وإنما یؤدی إلى الفتنة واعتمده فی النهر أفاده السيد وظاهر هذا ان الخلاف فی الجهر بالصوت فقط لا فی تمطیطہ وتلبینہ وهو ینافی ما قاله المصنف ونقله المقدسی عن أبي العباس القرطبی فی کتابہ فی السماع ونصه ولا یظن من لا فطنة له أنا إذا قلنا صوت المرأة عورة أنا نريد بذلك کلامها لأن ذلك ليس بصحيح فإنما نجيز الكلام من النساء الأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تلبینها وتقطيعها لما فی ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهن ومن هذا لم یجز أن تؤذن المرأة (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۲۳۲، کتاب الصلاة، فصل فی متعلقات الشروط وفروعها)

تؤمر المرأة بخفض الصوت فی التلبیة، وبخفض الصوت فی أذکار الصلوات الفریضة إذا صلین مع الجماعة، وذلك لأن إظهار المرأة صوتها یخشى منه أن یعلق بصوتها أحد من الرجال یسمعه، فیحصل بذلك فتنة، ولهذا قلنا :إنه لا بأس برفع المرأة صوتها فی حضرة الرجال، ما لم تخش الفتنة، أما الخضوع بالقول فهذا حرام بكل حال (مجموع فتاوی ورسائل فضیلة الشیخ محمد بن صالح العثیمین، جز ۲۳، ص ۵۲)

لیکن چونکہ عورت کی آواز کا اس کے شوہر اور محرم کو سننا گناہ نہیں، اس لیے اگر تراویح میں حافظہ عورت، مقتدی بن کراپنے شوہر یا محرم کو لقمہ دے، تو جائز ہے۔^۱
البتہ اگر وہاں کوئی نا محرم موجود ہو، تو عورت کی آواز اس تک پہنچنے کے طرز عمل سے پرہیز کرنا چاہیے، اگرچہ اس صورت میں بھی نہ تو لقمہ دینے والی عورت کی نماز فاسد ہوگی، اور نہ ہی امام کی نماز فاسد ہوگی۔

دو یا زیادہ افراد یا عورت کے ساتھ نماز باجماعت کا طریقہ

گھر میں فرض نماز پڑھنے والے کے لیے، خواہ وہ جماعت سے نماز پڑھے، اس کو اذان دینے کی تاکید نہیں، بلکہ اس کے لیے محلّہ کی اذان ہی کافی ہے، البتہ اگر اذان دے کر، اور اقامت کہہ کر نماز پڑھی جائے، تو بہتر ہے، تاکہ اذان و اقامت کے ذریعے، جماعت کی مشابہت حاصل ہو جائے، خواہ گھر میں بغیر جماعت کے تنہا کوئی شخص فرض نماز پڑھ رہا ہو، تب بھی اذان دینا بہتر ہے۔

اور گھر میں جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھنے کی صورت میں، اقامت کہنا سنت ہے۔^۲

۱۔ سماع صوت المرأة بالغناء مباح إذا خلا عن الفتنة (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، ج ۲، ص ۲۹۰۲، کتاب المناقب والفضائل، باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ)

۲۔ (قوله: لا لمصل في بيته في المص) أي لا يكره تركهما له والفرق بينهما أن المقيم إذا صلى بدونهما حقيقة فقد صلى بهما حكما؛ لأن المؤذن نائب عن أهل المحلة فيهما فيكون فعله كفعلمهم (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۱، ص ۱۷۹، باب الأذان)

(فإن صلى في بيته في المص صلى بأذان وإقامة ليكون الأذان على هيئة الجماعة) ش: بالأذان والإقامة م: (وإن تركهما جميعا) ج: ش: أي وإن ترك المصلي في بيته الأذان والإقامة جميعا جاز، لأن مؤذن الحي نائب عن أهل المحلة في الأذان والإقامة لأنهم هم الذين نصبوه لها فكان أذانه وإقامته كأذان الكل وإقامتهم (البنية شرح الهداية، ج ۲، ص ۱۱۶، باب الأذان)
وندى الأذان والإقامة للمسافر والمقيم في بيته (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۵۳، كتاب الصلاة، الباب الثاني، الفصل الأول)

ويكره أداء المكتوبة بالجماعة في المسجد بغير أذان وإقامة. كذا في فتاوى قاضى خان ولا يكره

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور عام فرض نماز باجماعت اور تراویح کی جماعت کا ثواب، گھر وغیرہ میں دو افراد سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، خواہ دوسرا فرد، عاقل، بالغ مرد ہو، یا سمجھدار بچہ ہو، یا ایک عورت ہو۔ ۱۔
پھر اگر دو مرد جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، خواہ ان میں ایک سمجھدار بچہ ہو، تو مقتدی کا امام کے دائیں جانب کھڑا ہونا سنت ہے۔

اور اگر ایک مرد ہو، اور دوسری عورت ہو، تو عورت، مرد امام کے پیچھے کھڑی ہوگی۔

اور اگر امام کے علاوہ دو یا زیادہ افراد ہوں، تو وہ حسب معمول امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔

اور اگر امام کے علاوہ ایک مرد یا سمجھدار بچہ ہو، اور ایک عورت ہو، تو مرد یا بچہ، امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا، اور عورت، مرد کے پیچھے الگ کھڑی ہوگی۔

اور اگر مقتدی ایک سے زیادہ مرد، اور ایک سے زیادہ عورتیں ہوں، تو مردانگی صرف میں کھڑے ہوں گے، اور عورتیں ان کے پیچھے الگ صرف میں کھڑی ہوں گی۔ ۲۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ترکھما لمن یصلی فی المصر إذا وجد فی المحلة ولا فرق بین الواحد والجماعة. هكذا فی التبيين والأفضل أن یصلی بالأذان والإقامة كذا فی التمر تاشی وإذا لم یؤذن فی تلك المحلة یكره له ترکھما ولو ترک الأذان وحده لا یكره كذا فی المحيط ولو ترک الإقامة یكره. كذا فی التمر تاشی (الفتاوی الہندیة، ج ۱، ص ۵۲، کتاب الصلاة، الباب الثانی، الفصل الأول)

۱۔ ویحصل فضل الجماعة بواحد ولو صبیا یعقل أو امرأة ولو فی البيت مع الإمام وأما الجمعة فیشرط ثلاثة أو اثنان كما سنذكره (مراقی الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ص ۱۰۹)

والجماعة فی اللغة الفرقة المجتمعة وشرعا الإمام مع واحد سواء كان رجلا أو امرأة حرا أو عبدا أو صبیا یعقل أو ملكا أو جنیا فی مسجد أو غیره وفي القنیة الأصح أن إقامتها فی البيت كإقامتها فی المسجد وإن تفاوتت الفضيلة (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۸۶، باب الإمامة)

۲۔ إذا انعقدت الجماعة بأقل ما تعتقد به (واحد مع الإمام) فالسنة أن يقف المأموم عن يمين الإمام إذا كان رجلا أو صبیا یعقل.

فإن كانت امرأة أقامها خلفه، ولو كان مع الإمام اثنان، فإن كانا رجلا إقامتهما خلفه، وإن كانا رجلا وامرأة أقام الرجل عن يمينه والمرأة خلف الرجل.

ولو كانت الجماعة كثيرة وفيهم رجال ونساء وصبیان قام الرجال فی الصفوف الأولى خلف الإمام، ثم قام الصبیان من وراء الرجال، ثم قام النساء من وراء الصبیان.

وفي جماعة النساء تقف التي تؤم النساء وسطهن.

ولا يجوز أن يتأخر الإمام عن المأمومين فی الموقف، ولا يكون موقف الإمام أعلى من موقف المقتدين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۸۲، مادة، صلاة الجماعة)

یہ بھی یاد رہے کہ عورت کا اذان دینا، اور مرد کی جماعت کے لیے عورت کا اقامت کہنا جائز نہیں۔

ایسی صورت میں جب ایک مرد ہو، اور دوسری عورت ہو، یا ایک سے زیادہ عورتیں ہوں، تو مرد کو جماعت سے پہلے، خود اقامت کہہ لینی چاہیے، اور پھر نماز پڑھانی چاہیے، جیسا کہ گھر میں تنہا نماز پڑھنے والے کو بھی خود اذان دے کر، اقامت کہہ لینا بہتر ہے۔ ۱

فقط

وَاللّٰهُ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ .

محمد رضوان خان

29 / شعبان المعظم / 1441ھ 23 / اپریل / 2020 بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

۱ اتفاق الفقہاء علی عدم جواز اذان المرأة وإقامتها لجماعة الرجال، لأن الأذان في الأصل للإعلام، ولا يشرع لها ذلك، والأذان يشرع له رفع الصوت، ولا يشرع لها رفع الصوت، ومن لا يشرع في حقه الأذان لا يشرع في حقه الإقامة.

وأما إذا كانت منفردة أو في جماعة النساء ففيه اتجاهات.

الأول: الاستحباب. وهو قول المالكية والشافعية، وهي رواية عند الحنابلة.

الثاني: الإباحة. وهي رواية عن أحمد.

الثالث: الكراهة. وهو قول الحنفية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۶، ص ۹، مادة: إقامة)

(ضمیمہ)

تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا، یا سننا

سوال

محترم جناب مفتی صاحب آج کل بعض لوگ تراویح میں قرآن مجید کو دیکھ کر قرائت یا سماعت کرتے ہیں۔

عرب ممالک میں اس کا بہت رواج ہے، اور ہمارے ملک میں بھی بعض لوگ اس طرز عمل کو اختیار کرتے ہیں۔

جب اُن سے اس بارے میں معلوم کیا جاتا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ بہت سے فقہاء کے نزدیک اس طرح کرنا جائز ہے۔

جبکہ ہم نے بہت سے علماء سے سنا ہے کہ نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

اس بارے میں آپ سے رہنمائی کی درخواست ہے۔

اور آج کل ملکی حالات کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو گھروں میں نماز تراویح پڑھنی پڑ رہی ہے، جس کی وجہ سے حسبِ منشاء حفاظ قرآن کا میسر آنا مشکل ہو رہا ہے۔

ایسے حالات میں کیا ہمارے لیے ایسی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے، برائے کرم رمضان شروع ہونے سے قبل اس کے متعلق اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں، اور ہمارے لیے گنجائش کا کوئی راستہ ہو، تو ضرور بتائیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جواب

اس وقت ماہِ رمضان کا آغاز بالکل قریب ہے، اور آپ کو موجودہ حالات میں مذکورہ مسئلہ پر بندہ کی رائے مطلوب ہے۔

مذکورہ مسئلہ، چونکہ تحقیق طلب ہے، اور اب اس پر زیادہ تفصیل سے کلام کا موقع نہیں، اس لیے ان شاء اللہ تفصیلی کلام تو کسی دوسرے موقع پر کیا جاسکے گا۔

فی الحال فقہائے کرام کی آراء کی روشنی میں تجلیل آپ کے لیے بقدرِ ضرورت تحریر کیا جاتا ہے۔

جس کے آخر میں ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے رُحمان کا بھی ذکر کر دیا جائے گا۔

تو جاننا چاہئے کہ نماز کے اندر اور بطورِ خاص تراویح کی نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے اور مقتدی کی قرآن کو دیکھ کر سننے کے بارے میں فقہائے کرام کے اقوال مختلف ہیں۔ ذیل میں اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کے متعلق اقوالِ فقہاء

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، نماز پڑھتے ہوئے کو قرآن مجید میں دیکھ کر قرائت کرنا جائز نہیں، اور ان کے نزدیک اس طرح کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، خواہ قرآن مجید دیکھ کر، امام قرائت کرے، یا مقتدی قرائت کرے، یا منفرد قرائت کرے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دو مشہور شاگرد ”امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ“ کے نزدیک، نماز میں دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ ان کے نزدیک یہ عمل مکروہ ہے، کیونکہ اس عمل میں اہل کتاب کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے۔

پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، نمازی کو قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے، نماز فاسد ہونے

کی وجہ کیا ہے؟ اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو اٹھانا اور اس میں دیکھنا، اور ورق گردانی کرنا، عمل کثیر ہے، اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جایا کرتی ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، نماز میں قرآن مجید دیکھ کر قرأت کرنے سے نماز فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قرآن مجید سے تلقین و تعلم حاصل کرنا ہے، پس یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ نماز پڑھنے والا، نماز کے باہر والے شخص سے تعلم اور لقمہ حاصل کرے۔ ۱

اور مالکیہ کے نزدیک نمازی کو قرآن مجید دیکھ کر قرأت کرنا مکروہ ہے، البتہ ان کے نزدیک، تراویح اور دیگر نفل نمازوں میں اور بطور خاص ان کی بھی پہلی رکعت میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا مکروہ نہیں۔

اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک، نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا، جائز ہے۔

اور امام ابو یوسف اور امام محمد کی طرح مذکورہ تینوں فقہائے مجتہدین کے نزدیک بھی قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ۲

۱۔ وتبطل الصلاة عند أبي حنيفة بالقراءة في مصحف لسببين:

أحدهما - أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير.

والثاني - أن تلقن من المصحف كما تلقن من غيره، وجوزها الصحابان بالكرهية، وجوزها الشافعي وأحمد بلا كراهة (الفقه الإسلامي وأدلته، ج ۲، ص ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، القسم الاول، الباب الثاني، الفصل السابع)

۲۔ القراءة من المصحف في الصلاة:

ذهب الشافعية والحنابلة إلى جواز القراءة من المصحف في الصلاة، قال أحمد: لا بأس أن يصلى بالناس القيام وهو ينظر في المصحف، قيل له: الفريضة؟ قال: لم أسمع فيها شيئا.

وسئل الزهري عن رجل يقرأ في رمضان في المصحف، فقال: كان خيارنا يقرءون في المصاحف. وفي شرح روض الطالب للشيخ زكريا الأنصاري: قرأ في مصحف ولو قلب أوراقه أحياناً لم تبطل - أي الصلاة - لأن ذلك يسير أو غير متوال لا يشعر بالإعراض، والقليل من الفعل الذي يبطل كثيره إذا تعمد بلا حاجة مكروه.

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے، نماز فاسد ہونے کا قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے، باقی تینوں فقہائے کرام یعنی امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل، اور امام ابوحنیفہ کے دو مشہور شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ، ان سب فقہائے کرام کے نزدیک محض قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ بعض حضرات کے نزدیک مکروہ ہوتی ہے، جس سے مکروہ تنزیہی، مراد ہے، اور اس میں کوئی گناہ لازم نہیں آیا کرتا۔

اور عام فرض نمازوں کے مقابلے میں چونکہ تراویح اور نفل نمازوں میں طویل قراءت کی جاتی ہے، اور تراویح میں عام طور پر پورا قرآن مجید پڑھا اور سنا جاتا ہے، اس لئے جائز قرار دینے والے حضرات میں سے بہت سے حضرات نے ان نمازوں، اور خاص کر تراویح کی نماز میں دفع حرج کی وجہ سے دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے، یا سننے کی زیادہ گنجائش دی ہے۔ کئی روایات و آثار سے بھی خاص تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے، اور سننے کا ثبوت اور

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وكره المالكية القراءة من المصحف في صلاة الفرض مطلقا سواء كانت القراءة في أوله أو في أثنائه، و فرقا في صلاة النفل بين القراءة من المصحف في أثنائها وبين القراءة في أولها، ف كرها القراءة من المصحف في أثنائها لكثرة اشتغاله به، و جوزوا القراءة من غير كراهة في أولها؛ لأنه يغتفر فيها ما لا يغتفر في الفرض.

و ذهب أبو حنيفة إلى فساد الصلاة بالقراءة من المصحف مطلقا، قليلا كان أو كثيرا إماما أو منفردا أميا لا يمكنه القراءة إلا منه أولا، و ذكروا لأبي حنيفة في علة الفساد وجهين: أحدهما: أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير، والثاني أنه تلقن من المصحف فصار كما لو تلقن من غيره، وعلى الثاني لا فرق بين الموضوع والمحمول عنده، وعلى الأول يفترقان.

واستثنى من ذلك ما لو كان حافظا لما قرأه وقرأ بلا حمل فإنه لا تفسد صلاته؛ لأن هذه القراءة مضافة إلى حفظه لا إلى تلقنه من المصحف ومجرد النظر بلا حمل غير مفسد لعدم وجهي الفساد.

وقيل: لا تفسد ما لم يقرأ آية؛ لأنه مقدار ما تجوز به الصلاة عنده.

و ذهب الصحابان - أبو يوسف ومحمد - إلى كراهة القراءة من المصحف إن قصد التشبه بأهل الكتاب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۳، ص ۵۸، مادة "قراءة")

ذکر ملتا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ ۱

۱۔ القراءة من المصحف في الصلاة وغيرها

ذهب أبو حنيفة إلى أنه ليس للمصلي أن يقرأ من المصحف، فإن قرأ بالنظر في المصحف فسدت صلاته مطلقاً، أي قليلاً كان ما قرأه أو كثيراً، إماماً كان أو منفرداً، وكذا لو كان ممن لا يمكنه القراءة إلا أنه لكونه غير حافظ.

وقد اختلف الحنفية في تعليل قوله، فقيل: لأن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير، وقيل: لأنه تلقن من المصحف، فصار كما إذا تلقن من غيره، وصحح هذا الوجه في الكافي تبعاً لتصحيح السرخسي، وعليه فلو لم يكن قادراً على القراءة إلا من المصحف فصلى بلا قراءة فإنها تجزئه.

وذهب الصحابان إلى تجويز القراءة للمصلي من المصحف مع الكراهة لما في ذلك من التشبه بأهل الكتاب.

وذهب المالكية إلى أنه يكره للمصلي القراءة من المصحف في فرض أو نفل لكثرة الشغل بذلك، لكن كراهته عندهم في النفل إن قرأ في أثنائه، ولا يكره إن قرأ في أوله، لأنه يغتفر في النفل ما لا يغتفر في الفرض، قال ابن قدامة: ورويت الكراهية في ذلك عن ابن المسيب والحسن ومجاهد والربيع.

وأجاز الحنابلة القراءة في المصحف في قيام رمضان إن لم يكن حافظاً، لما ورد عن عائشة رضي الله عنها في مولى لها اسمه ذكوان كان يؤمها من المصحف، ويكره في الفرض على الإطلاق، لأن العادة أنه لا يحتاج إليه فيه، ويكره للحافظ حتى في قيام رمضان، لأنه يشغل عن الخشوع وعن النظر إلى موضع السجود.

وذهب الشافعية إلى أن المصلي لو قرأ في مصحف ولو قلب أوراقه أحياناً لم تبطل صلاته، لأن ذلك يسير أو غير متوال لا يشعر بالإعراض.

أما في غير الصلاة فإن القراءة من المصحف مستحبة لاشتغال البصر بالعبادة، وقد ذهب بعض الفقهاء إلى تفضيل القراءة من المصحف على القراءة عن ظهر قلب، لأنه يجمع مع القراءة النظر في المصحف، وهو عبادة أخرى، لكن قال النووي: إن زاد خشوعه وحضور قلبه في القراءة عن ظهر قلب فهو أفضل في حقه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۸، ص ۱۱ و ۱۲، مادة "مصحف") (فرع) لو قرأ القرآن من المصحف لم تبطل صلاته سواء كان يحفظه أم لا بل يجب عليه ذلك إذا لم يحفظ الفاتحة كما سبق ولو قلب أوراقه أحياناً في صلاته لم تبطل ولو نظر في مكتوب غير القرآن وردد ما فيه في نفسه لم تبطل صلاته وإن طال لكن يكره نص عليه الشافعي في الإملاء وأطبق عليه الأصحاب وحكى الرافعي وجهاً أن حديث النفس إذا طال أبطل الصلاة وهو شاذ والمشهور الجزم بصحتها ونقله الشيخ أبو حامد عن نصه في الإملاء وهذا الذي ذكرناه من أن القراءة في المصحف لا تبطل الصلاة مذهب مالك وأبي يوسف ومحمد واحمد.

قال أبو حنيفة تبطل قال أبو بكر الرازي أراد إذا لم يحفظ القرآن وقرأ كثيراً في المصحف فأما إن

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”کتابُ الأصل“ کا حوالہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، امام محمد رحمہ اللہ نے ”کتابُ الأصل“ میں فرمایا کہ:
**قلت أرأيت الإمام يؤم القوم في رمضان أو في غير رمضان وهو
 يقرأ في المصحف؟**

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كان يحفظه أو لا يحفظه وقرأ يسيرا كآلآية ونحوها فلا تبطل واحتج له بأنه يحتاج في ذلك إلى فكر ونظر وذلك عمل كثير وكما لو تلقن من غيره في الصلاة.

واحتج أصحابنا بأنه أتى بالقراءة وأما الفكر والنظر فلا تبطل الصلاة بالاتفاق إذا كان في غير المصحف ففيه أولى وأما التلقين في الصلاة فلا يبطلها عندنا بلا خلاف (المجموع شرح المذهب، ج ۴، ص ۹۵، فرع في مسائل تتعلق بالكلام في الصلاة)

فصل: قال أحمد: لا بأس أن يصلى بالناس القيام وهو ينظر في المصحف قيل له: في الفريضة؟ قال: لا، لم أسمع فيه شيئا. وقال القاضي: يكره في الفرض، ولا بأس به في التطوع إذا لم يحفظ، فإن كان حافظا كره أيضا. قال وقد سئل أحمد عن الإمامة في المصحف في رمضان؟ فقال: إذا اضطر إلى ذلك. نقله على بن سعيد، وصالح، وابن منصور. وحكى عن ابن حامد أن النفل والفرض في الجواز سواء.

وقال أبو حنيفة تبطل الصلاة به إذا لم يكن حافظا؛ لأنه عمل طويل، وقد روى أبو بكر بن أبي داود، في كتاب المصاحف بإسناده عن ابن عباس قال نهانا أمير المؤمنين أن نؤم الناس في المصاحف، وأن يؤمنا إلا محتلم، وروى عن ابن المسيب والحسن، ومجاهد، وإبراهيم، وسليمان بن حنظلة، والربيع، كراهة ذلك وعن سعيد، والحسن قالوا: تردد ما معك من القرآن ولا تقرأ في المصحف.

والدليل على جوازه ما روى أبو بكر الأثرم، وابن أبي داود بإسنادهما عن عائشة أنها كانت يؤمها عبد لها في المصحف وسئل الزهري عن رجل يقرأ في رمضان في المصحف فقال: كان خيارنا يقرءون في المصاحف وروى ذلك عن عطاء، ويحيى الأنصاري وعن الحسن، ومحمد في التطوع ولأن ما جاز قراءته ظاهرا جاز نظيره كالحافظ، ولا نسلم أن ذلك يحتاج إلى عمل طويل، وإن كان كثيرا فهو متصل واختصت الكراهة بمن يحفظ لأنه يشتغل بذلك عن الخشوع في الصلاة والنظر إلى موضع السجود لغير حاجة.

وكره في الفرض على الإطلاق؛ لأن العادة أنه لا يحتاج إلى ذلك فيها وأبيحت في غير هذين الموضوعين لموضع الحاجة إلى سماع القرآن والقيام به والله أعلم (المغنى لابن قدامة، ج ۱، ص ۲۱۲، فصل يصلى بالناس القيام وهو ينظر في المصحف)

قال أكره له ذلك.

قلت وكذلك لو كان يصلي وحده؟

قال نعم.

قلت فهل تفسد صلاته؟

قال نعم.

وهذا قول أبي حنيفة وقال أبو يوسف ومحمد أما نحن فنرى أن صلاته تامة ولكننا نكره له ذلك لأنه يشبه فعل أهل الكتاب (كتاب

الاصل، ج ۱ ص ۲۰۶، كتاب الصلاة، فيمن يؤم القوم وهو يقرأ في المصحف)

ترجمہ: میں نے امام ابوحنیفہ سے عرض کیا کہ آپ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے، جو رمضان میں (تراویح کے اندر) لوگوں کی امامت کرتا ہے، اور وہ

قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھتا ہے؟

تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں اس عمل کو، اس کے لیے مکروہ سمجھتا ہوں۔

میں نے عرض کیا کہ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے، جبکہ کوئی قرآن مجید دیکھ کر تنہا نماز پڑھے؟

تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جی ہاں۔

میں نے عرض کیا کہ کیا کہ اس عمل سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی؟

تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جی ہاں۔

لیکن یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، اور ابو یوسف اور محمد (رحمہما اللہ) کا کہنا ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی نماز درست ہو جائے گی، لیکن ہم اس عمل کو مکروہ سمجھتے ہیں،

کیونکہ یہ اہل کتاب کے فعل کے مشابہ ہے (كتاب الأصل)

مذکورہ عبارت سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول اور ان کے دو اہم شاگردوں کا قول اور اس کی وجہ بھی معلوم ہوئی۔

”الجامع الصغير“ کا حوالہ

امام محمد رحمہ اللہ نے ”الجامع الصغير“ میں فرمایا کہ:

إمام قرأ فى المصحف فصلاته فاسدة وقال أبو يوسف ومحمد

(رحمهما الله) هى تامة ويكره (الجامع الصغير، ص ۹۷، كتاب الصلاة، باب

فى القراءة فى الصلاة)

ترجمہ: جو امام قرآن مجید کی دیکھ کر قرائت کرے، تو اس کی نماز (امام ابوحنیفہ کے

نزدیک) فاسد ہو جاتی ہے، اور ابو یوسف اور محمد (رحمہما اللہ) کے نزدیک فاسد

نہیں ہوتی، البتہ مکروہ ہوتی ہے (الجامع الصغير)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ مذکورہ مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور ان کے دو اہم شاگردوں

کے درمیان اختلاف ہے، اور یہ بات اہل علم حضرات سے مخفی نہیں، کہ حنفیہ کے نزدیک امام

محمد اور امام ابو یوسف کا قول، امام ابوحنیفہ کے قول سے زیادہ بعید نہیں سمجھا جاتا، اسی وجہ سے

بہت سے مسائل میں امام محمد اور امام ابو یوسف کے قول کو بھی اختیار کیا جاتا ہے، خاص طور پر

جبکہ کوئی ضرورت اس کی داعی ہو، یا دلیل سے اُن کے قول کا رُحمان ظاہر ہوتا ہو۔ ۱

”النافع الكبير“ کا حوالہ

”الجامع الصغير“ کی شرح ”النافع الكبير“ میں ہے کہ:

”امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے، نماز فاسد ہونے

کی دو وجہ ہیں۔

۱ (قوله: والأصح كما فى السراجية) أقول: عبارتها ثم الفتوى على الإطلاق على قول أبى حنيفة، ثم قول أبى يوسف ثم قول محمد، ثم قول زفر والحسن بن زياد. وقيل إذا كان أبو حنيفة فى جانب وصاحبا فى جانب فالمتى بالخيار، والأول أصح إذا لم يكن المفتى مجتهدا اھ فمقابل الأصح غير مذکور فى كلام الشارح فافهم (رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۷۰، مقدمة)

ایک وجہ تو یہ ہے کہ نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا، عمل کثیر ہے، جس میں قرآن مجید کو اٹھانا اور رکھنا، اور ورق گردانی کرنا پایا جاتا ہے۔

اور اس وجہ کے پیش نظر اگر قرآن مجید سامنے رکھا ہوا ہو، اور (خود نماز پڑھنے والے کو) اسے اٹھانے اور ورق گردانی کی ضرورت پیش نہ آئے، تو پھر اس کو دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرزِ عمل میں قرآن مجید سے تعلم و تلقین حاصل کرنا پایا جاتا ہے۔

اور اس وجہ کے پیش نظر قرآن مجید کو دیکھ کر تھوڑی سی قرائت کی جائے، یا زیادہ قرائت کی جائے، اور قرآن مجید کو اٹھائے اور ورق گردانی کیے بغیر قرائت کی جائے، تب بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک، نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے، نماز کے فاسد نہ ہونے اور نماز کے درست ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں قرآن مجید کی قرائت کرنا، عبادت ہے، اور قرآن مجید کو دیکھنا بھی عبادت ہے، لہذا ایک عبادت کے دوسری عبادت کے ساتھ شامل ہونے کی وجہ سے نماز کا صحیح ہونا، زیادہ حق ہے، البتہ مکروہ اس لیے ہے کہ یہ اہل کتاب کے طرزِ عمل کے مشابہ ہے۔ انتہی۔ ا

ا۔ قوله إمام الخ لأبي حنيفة في حكم الفساد وجهان أحدهما أنه عمل كثير وهو حمل المصحف وتقليب الأوراق .

حتى لو كان موضوعا بين يديه وهو لا يقلب ولا يحمله يصح صلاته .

والثاني أنه تعلم من المصحف وهذا المعنى يوجب التسوية في الفصول كلها .

قوله هي تامه ويكره لأنها عبادة انضافت إلى عبادة فكان أحق بالصحة وإنما يكره لأنه يشبه صنيع أهل الكتاب (النافع الكبير شرح الجامع الصغير، لأبي الحسنات اللكنوي، ص ٩٤، كتاب الصلاة، باب في القراءة في الصلاة)

”المبسوط للسرخسی“ کا حوالہ

”المبسوط للسرخسی“ میں ہے کہ:

”اگر قرآن مجید کو دیکھ کر قرأت کی جائے، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے قول کے دو طریقے ہیں، ایک یہ ہے کہ قرآن مجید کو اٹھانا اور ورق گردانی کرنا، اور اس پر نظر ڈالنا، اور اس کو سمجھنے کے لیے غور و فکر کرنا، عمل کثیر ہے، جو نماز کو فاسد کرنے کا سبب ہے۔

اس وجہ کی بناء پر اگر قرآن مجید سامنے رکھا ہوا ہو (یا کوئی نماز سے خارج شخص قرآن مجید کھول کر سامنے رکھ دے، اور ورق بھی وہی پلٹتا رہے) تو اس کو دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز فاسد ہونے کی زیادہ صحیح وجہ یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید سے تلقین اور تعام حاصل کرنا پایا جاتا ہے، تو یہ گویا کہ ایسا ہی ہو گیا کہ کسی معلم سے تعلیم حاصل کرے، جو کہ نماز فاسد کرنے کا سبب ہے، اور اس وجہ کی بناء پر اگر قرآن مجید سامنے رکھا ہوا ہو، یا ہاتھ میں ہو، تو اسے دیکھ کر پڑھنے سے بہر صورت نماز فاسد ہو جائے گی۔

اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز درست ہو جاتی ہے، لیکن مکروہ ہوتی ہے، کیونکہ اس میں اہل کتاب کے فعل کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے۔

اور امام شافعی کے نزدیک مکروہ بھی نہیں ہوتی، کیونکہ اہل کتاب کے ساتھ ہر چیز میں تشبہ ممنوع نہیں ہے، اور یہ اس طرح کے افعال میں داخل

نہیں“ - انتہی۔ ۱

”بدائع الصنائع“ کا حوالہ

”بدائع الصنائع“ میں بھی اسی طرح کی تفصیل مذکور ہے، لیکن اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں وجہ میں سے کسی وجہ کو ترجیح نہیں دی گئی، اور انہوں نے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک، نماز میں قرآن مجید پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی کہ قرآن مجید کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔

لہذا قرآن مجید پڑھنے کی عبادت کے، دیکھنے کی عبادت کے ساتھ جمع ہونا، نماز کے فساد کا سبب نہیں ہوگا۔

البتہ یہ عمل اس لیے مکروہ ہوگا کہ اہل کتاب کے ساتھ تشبیہ ہے۔

۱۔ قال: (وإذا قرأ في صلاته في المصحف فسدت صلاته) عند أبي حنيفة.

وعند أبي يوسف ومحمد - رحمهما الله تعالى - صلاته تامة، ويكره ذلك.

وقال الشافعي - رضي الله عنه - لا يكره لحديث ذكوان مولى عائشة - رضي الله تعالى عنها - أنه كان يؤمها في شهر رمضان وكان يقرأ في المصحف، ولأنه ليس فيه إلا حمل المصحف بيده والنظر فيه، ولو حمل شيئاً آخر لم تفسد صلاته، فكذلك المصحف إلا أنهما كرها ذلك؛ لأنه تشبه بفعل أهل الكتاب.

والشافعي - رحمه الله تعالى - قال ما نهينا عن التشبه بهم في كل شيء فإننا نأكل كما يأكلون.

ولأبي حنيفة - رحمه الله تعالى - طريقان: أحدهما أن حمل المصحف وتقليب الأوراق والنظر فيه والتفكير فيه ليفهم عمل كثير وهو مفسد للصلاة، كالرمي بالقوس في صلاته وعلى هذا الطريق يقول: إذا كان المصحف موضوعاً بين يديه أو قرأ بما هو مكتوب على المحراب لم تفسد صلاته.

والأصح أن يقول: إنه يلحق من المصحف فكانه تعلم من معلم وذلك مفسد لصلاته، ألا ترى أن من يأخذ من المصحف يسمى صحفياً، ومن لا يحسن قراءة شيء عن ظهر قلبه يكون أمياً يصلح بغير قراءة فدل أنه متعلم من المصحف، وعلى هذا الطريق لا فرق بين أن يكون موضوعاً بين يديه أو في يديه (المبسوط للسرخسي، ج ۱، ص ۲۰۱ و ۲۰۲، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة)

اور امام شافعی کے نزدیک مکروہ بھی نہیں۔ ۱

”الهدایة“ کا حوالہ

”الهدایة“ میں ہے کہ:

”اگر قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھے، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں قرآن مجید کو اٹھانا، اور ورق گردانی کرنا، اس سب سے عمل کثیر لازم آتا ہے۔

لیکن اس وجہ کی بناء پر عمل کثیر کے بغیر دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اور ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں قرآن سے تعلُّم و تلقُّن پایا جاتا ہے، اور اس وجہ کی بناء

۱۔ ولو قرأ المصلی من المصحف فصلاہ فاسدة عند أبی حنیفة.
وعند أبی یوسف ومحمد تامة ویکره.

وقال الشافعی: لا یکره واحتجوا بما روی أن مولی لعائشة -رضی اللہ عنہا- یقال له ذکوان کان یؤم الناس فی رمضان وكان یقرأ من المصحف ولأن النظر فی المصحف عبادة والقراءة عبادة وانضمام العبادة إلى العبادة لا یوجب الفساد إلا أنه یکره عندہما؛ لأنه تشبه بأهل الكتاب، والشافعی یقول ما نهینا عن التشبه بهم فی کل شیء فإننا ناکل ما یأکلون.

ولأبی حنیفة طریقتان: إحداهما أن ما یوجد منه من حمل المصحف وتقلیب الأوراق والنظر فیہ أعمال کثیرة لیست من أعمال الصلاة ولا حاجة إلى تحملها فی الصلاة فتفسد الصلاة، وقیاس هذه الطریقة أنه لو کان المصحف موضوعا بین یدیه ویقرأ منه من غیر حمل وتقلیب الأوراق أو قرأ ما هو مکتوب علی المحراب من القرآن لا تفسد صلاته لعدم المفسد وهو العمل کثیر.

والطریقة الثانية أن هذا یلقن من المصحف فیکون تعلما منه ألا ترى أن من يأخذ من المصحف یرسمی تعلما فصار کما لو تعلم من معلم وذا یفسد الصلاة وكذا هذا، وهذه الطریقة لا توجب الفصل بین ما إذا کان حاملا للمصحف مقبلا للأوراق و بین ما إذا کان موضوعا بین یدیه ولا یقلب الأوراق (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۳۶، کتاب الصلاة، فصل الکلام فی الاستخلاف فی الصلاة)

پر عمل کثیر کے بغیر بھی دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز درست ہو جاتی ہے، کیونکہ قرآن مجید کی قرائت کرنا، ایک عبادت ہے، تو اس کو دیکھنے کی عبادت اس کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے (کوئی گناہ درمیان میں شامل نہیں ہوتا) لیکن اس طرزِ عمل میں اہل کتاب کے فعل کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے، اس لیے مکروہ ہے۔ انتہی۔ ۱

”فتح القدير“ کا حوالہ

”فتح القدير“ میں اسی مسئلہ کے ضمن میں ہے کہ:

”عمل کثیر کے بارے میں (حنفیہ کا) اختلاف ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ جو عمل ایک ہاتھ سے کیا جائے، وہ قلیل ہے، اور جو عمل دو ہاتھوں سے کیا جائے، وہ کثیر ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر اس کو دوسرا دیکھنے والا انسان یہ یقین کر لے کہ وہ نماز میں نہیں ہے، تو وہ عمل کثیر ہے، اور اگر شک ہو، یا نماز میں ہونے کا شک نہ ہو، تو وہ عمل قلیل ہے، اکثر حضرات نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ نماز پڑھنے والے کی رائے کے سپرد ہے، اگر وہ اس عمل کو کثیر سمجھے، وہ کثیر ہے، ورنہ نہیں۔

۱۔ وإذا قرأ الإمام من المصحف فسدت صلاته عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقالوا هي تامة "لأنها عبادة انضافت إلى عبادة أخرى "إلا أنه يكره "لأنه تشبه بصنيع أهل الكتاب ولأبي حنيفة رحمه الله تعالى أن حمل المصحف والنظر فيه وتقلب الأوراق عمل كثير ولأنه تلقن من المصحف فصار كما إذا تلقن من غيره وعلى هذا لا فرق بين المحمول والموضوع وعلى الأول يفترقان (الهداية في شرح بداية المبتدى، ج ۱ ص ۶۳، كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

حلوائی نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کے زیادہ قریب یہی قول ہے۔“

انتہی۔ ۱

مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص عمل کثیر کا ارتکاب کیے بغیر نماز میں دیکھ کر قرآن مجید کو پڑھے، تو صاحبین کے نزدیک اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اور دیگر حضرات کے قول سے یہ بھی معلوم ہو چکا کہ جب اہل کتاب کے ساتھ تشبہ کا قصد و ارادہ نہ ہو، بلکہ قرآن مجید کو صحیح پڑھنا مقصود ہو، تو نماز مکروہ بھی نہیں ہوگی۔

اور ”عمل کثیر“ کے متعلق حنفیہ کا اختلاف ہے، فتح القدیر کی مذکورہ عبارت میں عمل کثیر کے متعلق تین اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔

بعض حضرات نے مزید دو اقوال بھی ذکر کیے ہیں، جن میں ایک قول یہ ہے کہ جس عمل کے لئے مسلسل یعنی لگاتار اور پے در پے کم از کم تین مرتبہ ہاتھوں کو مستقل حرکت دی جائے، وہ عمل کثیر ہے، ورنہ عمل قلیل ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ جس کام کو کرنے کے لئے مستقل مجلس و نشست کو اختیار کرنے کی ضرورت پیش آئے، وہ عمل کثیر ہے، ورنہ عمل قلیل ہے۔

اور بعض حضرات نے عمل کثیر سے نماز فاسد ہونے کے لئے یہ قید بھی لگائی ہے کہ وہ عمل نماز کو درست کرنے کے لئے اختیار نہ کیا جائے، ورنہ نماز کی درستگی و اصلاح کے لئے بعض اعمال کثیرہ کی بھی گنجائش ہوتی ہے۔ ۲

۱ (قوله أما فساد الصلاة فبالعمل الكثير) واختلفوا في حده، فقيل ما يحصل بيد واحدة قليل وبديدن كثير، وقيل لو كان بحال لو رآه إنسان من بعيد تيقن أنه ليس في الصلاة فهو كثير، وإن كان يشك أنه فيها أو لم يشك أنه فيها فقليل وهو اختيار العامة. وقيل يفوض إلى رأى المصلى إن استكثره فكثيره مفسد وإلا لا.

قال الحلواني: هذا أقرب إلى مذهب أبي حنيفة (فتح القدیر، ج ۱ ص ۲۰۳، كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

۲ (قوله ليس من أعمالها) احتراز عما لو زاد ركوعاً أو سجوداً مثلاً فإنه عمل كثير غير مفسد لكونه منها غير أنه يرفض لأن هذا سبيل ما دون الركعة ط قلت: والظاهر الاستغناء عن هذا القيد

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ان اقوال میں ترجیح دینے والوں میں بھی اختلاف ہوا ہے، بعض نے کسی قول کو، اور بعض

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علیٰ تعریف العمل الكثير بما ذكره المصنف تأمل (قوله ولا لإصلاحها) خرج به الوضوء والمشي لسبق الحدث فإنهما لا يفسدانها ط. قلت: وينبغي أن يزداد ولا فعل لعذر احترازاً عن قتل الحية أو العقرب بعمل كثير على أحد القولين كما يأتي، إلا أن يقال إنه لإصلاحها لأن تركه قد يؤدي إلى إفسادها تأمل (قوله وفيه أقوال خمسة أصحها ما لا يشك إلخ) صححه في البدائع، وتابعه الزيلعي والولوالجي. وفي المحيط أنه الأحسن. وقال الصدر الشهيد: إنه الصواب. وفي الخانية والخلاصة: إنه اختيار العامة. وقال في المحيط وغيره: رواه الثلجي عن أصحابنا حلية.

القول الثاني أن ما يعمل عادة باليدين كثير وإن عمل بواحدة كالتمميم وشد السراويل وما عمل بواحدة قليل وإن عمل بهما كحل السراويل ولبس القلنسوة ونزعها إلا إذا تكررت ثلاثاً متوالية وضعفه في البحر بأنه قاصر عن إفادة ما لا يعمل باليد كالمضغ والتقبيل.

الثالث الحركات الثلاث المتوالية كثير وإلا فقليل.

الرابع ما يكون مقصوداً للفاعل بأن يفرد له مجلساً على حدة. قال في التتارخانية: وهذا القائل: يستدل بامرأة صلت فلمسها زوجها أو قبلها بشهوة أو مص صبي ثديها وخرج اللبن: تفسد صلاتها.

الخامس التفويض إلى رأى المصلى، فإن استكثره فكثير وإلا فقليل قال القهستاني: وهو شامل لكل وأقرب إلى قول أبي حنيفة، فإنه لم يقدر في مثله بل يفرض إلى رأى المبتلى. اه. قال في شرح المنية: ولكنه غير مضبوط، وتفويض مثله إلى رأى العوام مما لا ينبغي، وأكثر الفروع أو جميعها مفرغ على الأولين. والظاهر أن ثانيهما ليس خارجاً عن الأول، لأن ما يقام باليدين عادة يغلب ظن الناظر أنه ليس في الصلاة، وكذا قول من اعتبر التكرار ثلاثاً متوالية فإنه يغلب الظن بذلك، فلذا اختاره جمهور المشايخ. اه.

(قوله ما لا يشك إلخ) أى عمل لا يشك أى بل يظن ظناً غالباً شرح المنية وما بمعنى عمل، والضمير فى بسببه عائد إليه والناظر فاعل يشك، والمراد به من ليس له علم بشروع المصلى بالصلاة كما فى الحلية والبحر. وفى قول الشارح من بعيد تبعاً للبدائع والنهر إشارة إليه لأن القريب لا يخفى عليه الحال عادة فافهم (قوله وإن شك) أى اشتبه عليه وتردد (قوله لكنه يشك) بمسألة المس والتقبيل (أى ما لو مس المصلية بشهوة أو قبلها بدونها فإن صلاتها تفسد، ولم يوجد منها فعل كما سيأتى فى الفروع مع جوابه، وأصل الاستشكال لصاحب الحلية وتبعه فى البحر، فليس المراد صلاة المقبل والماس. فإنه لا يخفى فسادها على أحد من الناس فافهم (قوله فلا تفسد إلخ) تفريع على أصح الأقوال، خلافاً لما روى مكحول عن أبى حنيفة أنه لو رفع يديه عند الركوع وعند الرفع منه تفسد لأن المفسد إنما هو العمل الكثير وهو ما يظن أن فاعله ليس فى الصلاة، وهذا الرفع ليس كذلك، كذا فى الكافي، نعم يكره لأنه فعل زائد ليس من تمامات الصلاة شرح المنية، وتسميتها تكبيرات الزوائد خلاف الاصطلاح لأنها فى الاصطلاح تكبيرات العيد (رد المحتار على الدر المختار، ج ١، ص ٢٢٥، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

نے کسی قول کو ترجیح دی ہے۔ ۱

۱۔ والأوجه قول بعضهم إنه إن حرک رجله قليلا لا تفسد وإن كان كثيرا فسدت كما في الذخيرة أيضا ولعله مفوض إلى ما يعده العرف قليلا أو كثيرا وفي الظهيرية إذا تخمرت المرأة فسدت صلاحها ولو أغلق الباب لا تفسد وإن فتح الباب المغلق تفسد وإن نزع القميص لا تفسد ولو لبس تفسد ولو شد السراويل تفسد ولو فتح لا تفسد ومن أخذ عنان دابته أو مقودها وهو نجس إن كان موضع قبضه نجسا لم يجز وإن كان النجس موضعا آخر جاز وإن كان يتحرك بتحريكه هو المختار وإن جذبته الدابة حتى أزالته عن موضع سجوده تفسد ولو آذاه حر الشمس فتحول إلى الظل خطوة أو خطوتين لا تفسد وقيل في الثلاث كذلك والأول أصح ولو رفع رجل المصلي عن مكانه ثم وضعه من غير أن يحوله عن القبلة لا تفسد ولو وضعه على الدابة تفسد ولو زر قميصا أو قباء فسدت لا إن حله وإن أجم دابة فسدت لا إن خلعه ولو لبس خفيه فسدت لا إن تنعل أو خلع نعليه كما لو تقلد سيفاً أو نزعه أو ووضع الفتيلة في مسرحة أو تروح بمروحة أو بكمه أو سوى من عمامته كورا أو كورين أو لبس قلنسوة أو بيضة

والحاصل أن فروعهم في هذا الباب قد اختلفت ولم تفرع كلها على قول واحد بل بعضها على قول وبعضها على غيره كما يظهر للمتأمل والظاهر أن أكثرها تفرعات المشايخ لم تكن منقولة عن الإمام الأعظم ولهذا جعل الاختلاف في حد العمل الكثير والقليل في التجنيس إنما هو بين المشايخ وقد ذكرنا من الأقوال أربعة وذكرنا قولاً خامساً وهو أن العمل الكثير ما يكون مقصوداً للفاعل بأن أفرد له مجلساً على حدة ولقد صدق من قال كثرة المقالات تؤذن بكثرة الجهالات ولقد صدق صاحب الفتاوى الظهيرية حيث قال في الفصل الثالث في قراءة القرآن إن كل ما لم يرو عن أبي حنيفة فيه قول بقى كذلك مضطرباً إلى يوم القيامة كما حكى عن أبي يوسف أنه كان يضطرب في بعض المسائل وكان يقول كل مسألة ليس لشيننا فيها قول فنحن فيها هكذا

اهـ (البحر الرائق، ج ۲ ص ۱۳، ۱۵، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

قوله والحاصل أن فروعهم في هذا الباب قد اختلفت إلخ) أقول: يمكن أن يقال لما رأى مشايخ المذهب الفروع المذكورة فكل منهم عرف العمل الكثير بتعريف ينطبق على ما رآه من الفروع وبضم التعاريف إلى بعضها تنظم الفروع جميعاً بأن يقال العمل الكثير هو ما لا يشك الناظر إليه أنه ليس في الصلاة أو ما كان بحركات متوالية أو ما كان يعمل باليدين أو ما يستكبره المبتلى به أو ما يكون مقصوداً للفاعل بأن أفرد له مجلساً على حدة لكن يمكن إدخال سائر الفروع في الأولين والاستغناء بهما عن الثلاثة الباقية فتأمل فيما ذكرناه من التوفيق فإن فيه إحسان الظن بمشايخ المذهب فإن هذه الفروع وإن لم تكن كلها منقولة عن الإمام الأعظم لكن المشايخ خرجوا بعضها على المنقول لا بمجرد الرأي وما كان مخرجاً على المذهب من أهل التخريج فهو داخل في المذهب هذا ما ظهر لفكرى القاصر والله سبحانه وتعالى أعلم ثم رأيت العلامة الشيخ إبراهيم الحلبي في شرحه على المنية ذكر ما ذكرته حيث قال وأكثر الفروع أو جميعها مخرج على أحد الطريقتين الأولين.

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”البحرُ الرائق“ کا حوالہ

”البحرُ الرائق“ میں اس مسئلہ کی تفصیل کے ذیل میں ہے کہ:

”امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور نماز کے فاسد ہونے کی دو وجہیں ہیں۔

شمس الائمہ سرخسی نے نماز کے باہر سے تَلْقُنْ و تَعْلُمْ حاصل کرنے کی وجہ کو ترجیح دی ہے، جن کی بعض دوسرے حضرات نے بھی پیروی ہے، اور اس وجہ کا تقاضا یہ ہوگا کہ خواہ تھوڑی قراءت کی جائے، یا زیادہ قراءت کی جائے، اور قاری حافظ قرآن ہو، یا غیر حافظ قرآن ہو، بہر صورت نماز فاسد ہو جائے گی۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جب تک دیکھ کر سورہ فاتحہ کے بقدر قرائت نہیں کرے گا، اس وقت تک نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جب تک کم از کم ایک آیت کے بقدر نہیں پڑھے گا، اس وقت تک نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر حافظ قرآن ہو، تو اس کا قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا تَلْقُنْ و تَعْلُمْ میں داخل نہیں، اس لئے اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

مگر یہ تمام اقوال اس توجیہ پر مبنی ہیں، جس کو شمس الائمہ سرخسی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والظاہر أن ثانيهما ليس خارجا عن الأول لأن ما يقام باليدين عادة يغلب ظن الناظر أنه ليس في الصلاة وكذا قول من اعتبر التكرار إلى ثلاث متوالية فإن التكرار يغلب الظن بذلك فلذا اختاره جمهور المشايخ (اه). قوله وذكروا قولاً خامساً وهو إلخ) قال في التتارخانية عن المحيط وهذا القتال يستدل بامرأة صلت فلمسها زوجها أو قبلها بشهوة تفسد صلاتها وكذا إذا مص صبي ثديها وخرج اللبن تفسد صلاتها (منحة الخالق على البحر الرائق، ج ۲ ص ۱۴، ۱۵، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

اور صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ ان کے نزدیک یہ کوئی گناہ کا کام نہیں، بلکہ قراءت کرنے کی عبادت کے ساتھ، قرآن دیکھنے کی ایک دوسری عبادت کو شامل کرنا ہے، لیکن اہل کتاب کی مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے۔

اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ اہل کتاب کے ساتھ تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں، ممنوع تشبہ وہ ہے، جو کہ مذموم اور بُری چیز ہو، اور اس سے تشبہ کا قصد و ارادہ بھی کیا جائے، جیسا کہ قاضی خان نے ”الجامعُ الصغیر“ کی شرح میں ذکر کیا ہے، لہذا اس کے پیش نظر اگر کسی کا اہل کتاب کے ساتھ تشبہ کا ارادہ نہ ہو، تو امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک، نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا مکروہ نہیں ہوگا۔“ انتہی۔ ا

ا (قوله وقرآنته من مصحف) ای یفسدها عند أبی حنیفة وقالوا هی تامة لأنها عبادة انضافت إلى عبادة إلا أنه یکره لأنه تشبه بصنيع أهل الكتاب ولأبی حنیفة وجهان أحدهما أن حمل المصحف والنظر فيه وتقلب الأوراق عمل كثير الثانی أنه تلقن من المصحف فصار كما إذا تلقن من غیره وعلى هذا الثانی لا فرق بین الموضوع والمحمول عنده وعلى الأول یفتقران و صحح المصنف فی الکافی الثانی وقال إنها تفسد بكل حال تبعاً لما صححه شمس الأئمة السرخسی وربما یستدل لأبی حنیفة كما ذكره العلامة الحلبي بما أخرجه ابن أبي داود عن ابن عباس قال نهانا أمير المؤمنين أن نؤم الناس فی المصحف فإن الأصل كون النهی یقتضى الفساد وأراد بالمصحف المكتوب فيه شیء من القرآن فإن الصحیح أنه لو قرأ من المحراب فسدت كما هو مقتضى الوجه الثانی كما صرحوا به وأطلقه فشمّل القلیل والكثیر وما إذا لم یکن حافظاً أو حافظاً للقرآن وهو إطلاق الجامع الصغیر وذهب بعضهم إلى أنه إنما تفسد إذا قرأ آية وبعضهم إذا قرأ الفاتحة وقال الرازی قول أبی حنیفة محمول على من لم یحفظ القرآن ولا یمكنه أن یقرأ إلا من مصحف فأما الحافظ فلا تفسد صلاته فی قولهم جمیعا وتبعه على ذلك السرخسی فی جامعه الصغیر على ما فی النهاية وأبو نصر الصفار على ما فی الذخیرة معللاً بأن هذه القراءة مضافة إلى حفظه لا إلى تلقنه من المصحف. وجزم به فی فتح القدير والنهاية والتبيين وهو أوجه كما لا یخفى وفي الظهيرية ثم لم یذكر فی الكتاب أنه إذا لم یکن قادراً إلا على القراءة من المصحف فصلی بغير قراءة هل تجوز والأصح أنها لا تجوز اهـ.

ویخالفه ما فی النهاية نقلًا عن مسوط شیخ الإسلام وكان الشیخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”الذّر المختار“ کا حوالہ

”الذّر المختار“ میں ہے کہ:

”امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے، مطلقاً نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

اور امام شافعی کے نزدیک قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا، بلا کراہت جائز ہے۔ اور صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ اہل کتاب کے ساتھ تشبہ کی وجہ سے مکروہ ہے، یعنی جب کہ اہل کتاب کے ساتھ تشبہ کا قصد و ارادہ کرے، کیونکہ اہل کتاب کے ساتھ ہر چیز میں تشبہ مکروہ نہیں، بلکہ بری چیزوں میں ہی مکروہ ہے، اور وہ بھی اس وقت، جب کہ تشبہ کا ارادہ کرے، جیسا کہ بحر میں ہے۔“۔ انتہی۔ ۱

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

يقول في التعليل لأبي حنيفة أجمعنا على أن الرجل إذا كان يمكنه أن يقرأ من المصحف ولا يمكنه أن يقرأ على ظهر قلبه أنه لو صلى بغير قراءة أنه يجزئه ولو كانت القراءة من المصحف جائزة لما أبيحت الصلاة بغير قراءة ولكن الظاهر أنهما لا يسلمان هذه المسألة وبه قال بعض المشايخ. اهـ. والظاهر أن ما في الظهيرية متفرع على أن علة الفساد حملة والعمل الكثير فإذا لم يحفظ شيئاً على ظهر قلبه يمكنه أن يقرأ من المصحف وهو موضوع فليس أمياً لتجاوز صلاته بغير قراءة وما ذكره الإمام الفضلي متفرع على الصحيح من أن علة الفساد تلقنه ولو كان موضوعاً فحينئذ لا قدرة له على القراءة فكان أمياً وبهذا ظهر أن تصحيح الظهيرية مفرع على الضعيف وأطلق في المصلي فشمّل الإمام والمنفرد فما في الهداية من تقييده بالإمام اتفافي كما في غاية البيان. ثم اعلم أن التشبيه بأهل الكتاب لا يكره في كل شيء وإنما ناكل ونشرب كما يفعلون إنما الحرام هو التشبه فيما كان مذموماً وفيما يقصد به التشبيه كذا ذكره قاضي خان في شرح الجامع الصغير فعلى هذا لو لم يقصد التشبه لا يكره عندهما (البحر الرائق، ج ۲، ص ۱۱، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

۱ (وقراءته من مصحف) أي ما فيه قرآن (مطلقاً) لأنه تعلم إلا إذا كان حافظاً لما قرأه وقرأ بلا حمل، وقيل لا تفسد إلا بآية: واستظهره الحلبي وجوزه الشافعي بلا كراهة وهما بها للتشبه بأهل الكتاب: أي إن قصد؛ فإن التشبه بهم لا يكره في كل شيء، بل في المذموم وفيما يقصد به التشبه، كما في البحر (الذّر المختار)

”رد المحتار“ کا حوالہ

”رد المحتار“ میں بھی اس مسئلہ کی تفصیل مذکور ہے، جس میں صاحب بحر کے کلام کو بھی ذکر کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی صاحبین کے قول کے متعلق یہ بات مذکور ہے کہ:

”صاحبین نے نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کو، کراہت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، اور اہل کتاب کے ساتھ تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں، جیسا کہ بحر نے قاضی خان کی ”شرح الجامع الصغیر“ سے نقل کیا ہے، اور اس کی تائید ”الذخیرة“ کے ایک جزئیہ سے بھی ہوتی ہے۔“ انتھی۔ ۱

۱ (قوله أى ما فيه قرآن) عممه ليشمل المحراب، فإنه إذا قرأ ما فيه فسدت فى الصحيح بحر (قوله مطلقاً) أى قليلاً أو كثيراً، إماماً أو منفرداً، أمياً لا يمكنه القراءة إلا منه أو لا (قوله لأنه تعلم) ذكروا لأبى حنيفة فى علة الفساد وجهين. أحدهما: أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير. والثانى أنه تلقن من المصحف فصار كما إذا تلقن من غيره. وعلى الثانى لا فرق بين الموضوع والمحمول عنده، وعلى الأول يفترقان وضح الثانى فى الكافى تبعاً لتصحيح السرخسى؛ وعليه لو لم يكن قادراً على القراءة إلا من المصحف فصلى بلا قراءة ذكر الفضلى أنها تجزيه وضح فى الظهيرة عدمه والظاهر أنه مفرع على الوجه الأول الضعيف بحر (قوله إلا إذا كان إلخ) لأن هذه القراءة مضافة إلى حفظه لا إلى تلقنه من المصحف، ومجرد النظر بلا حمل غير مفسد لعدم وجهى الفساد، وهذا استثناء من إطلاق المصنف، وهو قول الرازى، وتبعه السرخسى وأبو نصر الصفار وجزم به فى الفتح والنهاية والتبيين. قال فى البحر: وهو وجه كما لا يخفى اهـ فلذا جزم به الشارح (قوله وقيل إلخ) تقييد آخر لإطلاق المصنف: وعبارة الحلبي فى شرح المنية: ولم يفرق فى الكتاب بين القليل والكثير، وقيل لا تفسد ما لم يقرأ قدر الفاتحة، وقيل ما لم يقرأ آية، وهو الأظهر لأنه مقدار ما تجوز به الصلاة عنده.

(قوله وهما بها) أى وجوزه الصحابان بالكراهة. مطلب فى التشبه بأهل الكتاب.

(قوله لأن التشبه بهم لا يكره فى كل شيء) فإننا نأكل ونشرب كما يفعلون بحر عن شرح الجامع الصغیر لقاضى خان، ويؤيده ما فى الذخيرة قبيل كتاب التحرى. قال هشام: رأيت على أبى يوسف نعلين محصوفين بمسامير، فقلت: أترى بهذا الحديد بأساً؟ قال لا قلت: سفیان وثور بن يزيد كرها ذلك لأن فيه تشبهاً بالرهبان؛ فقال كان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يلبس النعال التى لها شعر وإنها من لباس الرهبان. فقد أشار إلى أن صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا يضر، فإن الأرض مما لا يمكن قطع المسافة البعيدة فيها إلا بهذا النوع. اهـ وفيه إشارة أيضاً إلى أن المراد بالتشبه أصل الفعل: أى صورة المشابهة بلا قصد (رد المحتار، ج ۱ ص ۶۲۳، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

”حاشیۃ الطحاوی علی المراقی“ کا حوالہ

”حاشیۃ الطحاوی علی المراقی“ میں ہے کہ:

”امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس کو قرآن مجید حفظ یاد نہ ہو، اس کا قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا، نماز کو فاسد کر دیتا ہے، خواہ وہ تھوڑا پڑھے، یا زیادہ پڑھے، اور بعض اقوال میں تھوڑا اور زیادہ پڑھنے میں فرق کیا گیا ہے۔

اور صاحبین کے نزدیک قرآن مجید کو دیکھ کر قراءت کرنے سے نماز درست ہو جاتی ہے، کیونکہ قرآن مجید کو دیکھنا عبادت ہے، جو قرآن مجید کو پڑھنے کی دوسری عبادت کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا، بغیر دیکھے پڑھنے سے افضل ہے، لیکن نماز میں یہ فعل اس لیے مکروہ ہے کہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے۔

لیکن یہ بات قابل توجہ ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں ہے، بلکہ بری چیزوں میں اور جب تشبہ کا قصد و ارادہ کیا جائے، اسی وقت مکروہ ہے، جیسا کہ بحر میں قاضی خان کے حوالہ سے مذکور ہے۔“ انتہی۔ ۱

۱۔ قولہ: ”قراءة ما لا يحفظه“ أي مطلقا سواء كان قليلا أو كثيرا وهو ظاهر الرواية عن الإمام . وقيل لا تفسد ما لم يقرأ قدر الفاتحة وقيل لا تفسد ما لم يقرأ قدر آية وهو الأطهر كما في الحلبي وتبعه في سكب الأنهر.

وعندهما صلاحته تامة لأنها عبادة انضافت إلى أخرى وهو النظر في المصحف ولهذا كانت القراءة في المصحف أفضل من القراءة غائبا إلا أنه يكره في الصلاة لما فيه من التشبه بأهل الكتاب كذا قالوا :

وفيه نظر لأن التشبه بأهل الكتاب لا يكره في كل شيء فاننا نأكل كما يأكلون ونشرب كما يشربون وإنما الحرام التشبه بهم فيما كان مذموما وما يقصد به التشبه قاله قاضيخان في شرح الجامع الصغير فعلى هذا لو لم يقصد التشبه لم يكره عندهما كما في البحر.

ولأبي حنيفة في فسادهما وجهان أحدهما أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير وعلى هذا لو كان موضوعا بين يديه وهو لا يحمله ولا يقلب الأوراق أو قرأ المكتوب في

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”عمدۃ القاری“ کا حوالہ

علامہ عینی نے صحیح بخاری کی شرح ”عمدۃ القاری“ میں فرمایا کہ:

”امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا جائز ہے، کیونکہ قرآن مجید کو دیکھنا عبادت ہے، لیکن اس میں اہل کتاب کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے، اس لیے مکروہ ہے۔

اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔“ انتہی۔ ۱

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تو نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا جائز نہیں، اور اس سے ان کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ البتہ عمل کثیر کیے بغیر پڑھنے اور تھوڑا پڑھنے، اور حافظ قرآن کے پڑھنے سے نماز فاسد ہونے میں اختلاف ہے۔

بہت سے حضرات نے تمام صورتوں میں ہی نماز کو فاسد قرار دیا ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے حوالے سے اسی بات کو ترجیح دی ہے، لیکن بعض حضرات نے ان چیزوں کے اعتبار سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المحراب لا تفسد والثانی أنه تلقن من المصحف فصار كما لو تلقن من غیره وهو مناف للصلاة وهذا یوجب التسوية بین المحمول وغيره ففسد بكل حال وهو الصحیح كذا فی الكافی ولو لم یكن قادرا إلا على القراءة من المصحف لا یجوز له ذلك ویصلی بغیر قراءة لأنه أمی ولا فرق بین الإمام والمنفرد وتقیید الهدایة بالإمام اتفافی قوله: "من مصحف" أراد به ما كتب فیہ شیء من القرآن كذا فی النهر فعم ما لو قرأ من المحراب وهو الصحیح وأشار إلیه بقوله وإن لم یحمله قوله: "لا تفسد العمل والتلقى" أمی والقراءة مضافة إلی حفظه لا إلی تلقیه من المصحف (حاشیة الطحطاوی علی مرقا الفلاح، ص ۳۳۶، كتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة)

۱ قلت: القراءة من مصحف فی الصلاة مفسدة عند أبی حنیفة لأنه عمل کثیر، وعند أبی یوسف ومحمد یجوز، لأن النظر فی المصحف عبادة، ولكنه یکره لما فیہ من التشبه بأهل الكتاب فی هذه الحالة (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج ۵، ص ۲۲۵، باب إمامة العبد والمولی)

فرق کیا ہے۔

جہاں تک صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول کا تعلق ہے، تو ان کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ اگر اہل کتاب کے ساتھ تہنّب و مشابہت کے قصد و ارادہ سے ایسا کیا جائے، تو نماز صرف مکروہ ہوتی ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب اہل کتاب کے ساتھ تہنّب کا قصد و ارادہ نہ ہو، بلکہ قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کا ارادہ ہو، اور غلط پڑھنے سے بچنے کا قصد ہو، تو اس صورت میں ان کے نزدیک نماز مکروہ بھی نہیں ہوتی، اور قرآن مجید کو جس طرح پڑھنا عبادت ہے، اسی طرح اس کو دیکھنا بھی عبادت ہے، اس لئے فی نفسہ یہ کوئی مذموم فعل نہیں۔

لہذا صاحبین کے نزدیک مذکورہ صورت میں بہر حال کراہت نہ ہوگی، اور نماز بلا کراہت جائز ہوگی۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ فقہائے کرام نے نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کے متعلق امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے مابین نماز فاسد ہونے، نہ ہونے اور کراہت لازم آنے، نہ آنے کے اعتبار سے فرق بیان فرمایا ہے۔

عمل کثیر لازم آنے نہ آنے وغیرہ کے اعتبار سے فرق نہیں کیا۔

امام محمد رحمہ اللہ نے جہاں خود اس مسئلہ اور اس میں اپنے ساتھ امام ابوحنیفہ کے اختلاف کا بیان کیا، وہاں بھی اس طرح کے فرق کا ذکر نہیں کیا۔

البتہ عمل کثیر لازم آنے یا تلقین و تعلّم بالخارج کی توجیہات، بعد کے مشائخ حنفیہ کی طرف سے بیان کردہ ہیں۔

اور جب صاحبین کے نزدیک یہ عمل نماز کو فاسد نہیں کرتا، تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحبین، اس کو تعلّم و تلقین بالخارج سمجھتے ہی نہیں، بلکہ وہ اس کو ایک طرح سے نماز کا حصہ سمجھتے ہیں، جیسا کہ ان کے قول کی بیان کردہ، دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک عبادت کے ساتھ،

دوسری عبادت کو شامل کرنا ہے، کیونکہ قرآن مجید کو دیکھنا بھی عبادت ہے، اور عمل کیشری توجیہ پر کلام آگے آتا ہے۔

اس سلسلہ میں بعض روایات و آثار

مصنف ابن ابی شیبہ نے بعض ایسی روایات اور ایسے آثار ذکر کیے ہیں، جن میں نماز کے اندر، بطور خاص نماز تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کا ذکر ہے۔

اور ان میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت کرنے والے کے قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کا ذکر ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ایک غلام کے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر سننے اور لقمہ دینے کا ذکر بھی ہے۔

اور حضرت حسن بصری، محمد بن سیرین اور حضرت عطاء جیسے جلیل القدر تابعین سے بھی اس فعل میں حرج نہ ہونے کا ذکر ہے۔ ۱

۱۔ حدثنا الثقفی، عن ایوب، قال: کان محمد لا یری بأساً أن یؤم الرجل القوم یقرأ فی المصحف.

حدثنا ابن علیة، عن ایوب، قال: سمعت القاسم یقول کان یؤم عائشة عبد یقرأ فی المصحف. حدثنا وکیع، قال: حدثنا هشام بن عروة، عن أبی بکر بن أبی ملیکة، أن عائشة أعتقت غلاماً لها عن دبر، فكان یؤمها فی رمضان فی المصحف.

حدثنا أزهر، عن ابن عون، عن ابن سیرین، عن عائشة ابنة طلحة، أنها کانت تأمر غلاماً، أو إنساناً یقرأ فی المصحف یؤمها فی رمضان.

حدثنا أبو داود، عن شعبه، عن الحکم؛ فی الرجل یؤم فی رمضان یقرأ فی المصحف رخص فیہ. حدثنا أبو داود الطیالسی، عن شعبه، عن منصور، عن الحسن ومحمد، قالوا: لا بأس بہ.

حدثنا أبو داود، عن رباح بن أبی معروف، عن عطاء، قال: لا بأس بہ. حدثنا وکیع، قال: حدثنا الربیع، عن الحسن، قال: لا بأس أن یؤم فی المصحف إذا لم یجد، یعنی من یقرأ ظاهراً.

حدثنا یحیی بن آدم، قال: حدثنا عیسی بن طهمان، قال: حدثنی ثابت البنانی، قال: کان أنس یصلی وغلامه یمسک المصحف خلفه فإذا تعایا فی آية فتح علیه

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلاة، باب فی الرجل یؤم القوم وهو یقرأ فی المصحف)

نیز ”ابن ابن ابی شیبہ“ نے کئی ایسی روایات اور ایسے آثار بھی ذکر کیے ہیں، جن میں نماز کے اندر امام کو قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کے مکروہ ہونے کا ذکر ہے۔

اور ان میں جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی، اور حضرت حسن بصری سے اہل کتاب کے ساتھ تشبہ کا بھی ذکر ہے، اور بعض روایات میں صرف کراہت کا ذکر ہے۔ ۱

”عبدالرزاق نے بھی اپنی ”مصنف“ میں اس طرح کی کئی روایت کو نقل کیا ہے۔ ۲
اور محمد بن نصر مروزی (المتوفی: 294ھ) نے ”مختصر قیام اللیل“ میں فرمایا کہ:

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رمضان میں تراویح کے اندر ایک غلام، امامت

۱ حدیثنا وکیع، قال: حدثنا سفیان، عن عیاش العامری، عن سلیمان بن حنظلہ البکری، أنه مر علی رجل یؤم قوما فی المصحف فضر به برجله.

حدیثنا وکیع، قال: حدثنا سفیان، عن عطاء، عن أبی عبد الرحمن، أنه کره أن یؤم فی المصحف. حدیثنا أبو معاویة، عن الأعمش، عن إبراهیم، أنه کره أن یؤم الرجل فی المصحف کراهة أن یتشبهوا بأهل کتاب.

حدیثنا محمد بن فضیل، عن مغیره، عن إبراهیم، قال: کانوا یکرهون أن یؤم الرجل وهو یقرأ فی المصحف.

حدیثنا المحاریبی، عن لیث، عن مجاهد، أنه کان یکره أن یؤم الرجل فی المصحف. حدیثنا وکیع، قال: حدثنا هشام الدستوائی، عن قتادة، عن سعید بن المسیب، قال: إذا کان معه من یقرأ رددوه، ولم یؤم فی المصحف.

حدیثنا وکیع، قال: حدثنا هشام الدستوائی، عن قتادة، عن الحسن، أنه کرهه، وقال: هکذا تفعل النصارى.

حدیثنا أبو داود، عن شعبه، عن حماد و قتادة فی رجل یؤم القوم فی رمضان فی المصحف فکرهاه.

حدیثنا إسرائيل، عن جابر، عن عامر، قال: لا یؤم فی المصحف.

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلاة، باب من کرهه)

۲ عبد الرزاق عن الثوری عن الأعمش عن إبراهیم قال کانوا یکرهون أن یؤمهم وهو یقرأ فی المصحف فیتشبهون بأهل کتاب.

عبد الرزاق عن الثوری عن منصور عن مجاهد أنه کرهه.

عبد الرزاق عن عبد القدوس بن حبيب أبو سعید عن الحسن قال سمعته یقول لا بأس أن یؤم الرجل فی شهر رمضان وهو یقرأ فی المصحف.

عبد الرزاق عن بن التیمی عن أبیه أن عائشة كانت تقرأ فی المصحف وهی تصلی.

أخبرنا عبد الرزاق قال أخبرنا معمر عن أبوب قال کان بن سیرین یصلی والمصحف إلی جنبه فإذا تردد نظر فیہ (مصنف عبد الرزاق، کتاب الصلاة، باب الإمام یقرأ فی المصحف)

کیا کرتا تھا، جو قرآن مجید کو دیکھ کر قرائت کیا کرتا تھا۔

اور ابن شہاب زہری سے سوال کیا گیا کہ رمضان میں قرآن مجید دیکھ کر تراویح پڑھانا جائز ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اسلام کے ابتدائی دور سے ہی لوگوں کا اس کے مطابق عمل ہے، ہمارے پسندیدہ اکابر و بزرگوار، نماز تراویح میں قرآن مجید کو دیکھ کر قرائت کیا کرتے تھے۔

اور بھی کئی جلیل القدر تابعین، مثلاً سعید بن مسیب اور یحییٰ بن سعید وغیرہ سے اس کا جواز مروی ہے۔ ۱

البتہ بعض حضرات سے اس عمل کی کراہت مروی ہے، اہل کتاب کے ساتھ تشبہ کی وجہ سے۔

۱ باب الإمام یوم فی القيام یقرأ فی المصحف.

تقدم أن عائشة رضی اللہ عنہا کان یومها غلام لها فی المصحف وکان یقال له ذکوان فی رمضان باللیل .

وسئل ابن شہاب رحمہ اللہ عن الرجل یوم الناس فی رمضان فی المصحف قال: ما زالوا یفعلون ذلک منذ کان الإسلام , کان خيارنا یقرئون فی المصاحف .

إبراهیم بن سعد عن أبيه أنه کان یأمره , أن یقوم بأهله فی رمضان ویأمره أن یقرأ لهم فی المصحف ویقول: أسمعنی صوتک فتادة.

عن سعید بن المسیب رحمہ اللہ فی الذی یقوم فی رمضان إن کان معه ما یقرأ بہ فی لیلۃ وإلا فلیقرأ فی المصحف , فقال الحسن رحمہ اللہ: " لیقرأ بما معه ویردده ولا یقرأ من المصحف كما تفعل الیهود , قال فتادة: وقول سعید أعجب إلى أبوب رحمہ اللہ , عن محمد أنه کان لا یری بأساً أن یوم الرجل القوم فی التطوع یقرأ فی المصحف " وقال عطاء فی الرجل یوم فی رمضان من المصحف: لا بأس بہ وقال یحییٰ بن سعید الأنصاری: لا أری بالقراءة من المصحف فی رمضان بأساً یرید القيام ابن وهب رحمہ اللہ: سئل مالک , عن أهل قرية لیس أحد منهم جامعاً للقرآن أترى أن یجعلوا مصحفاً یقرأ لهم رجل منهم فیہ؟ فقال: لا بأس بہ , فقيل له: فالرجل الذی قد جمع القرآن أترى أن یصلی فی المسجد خلف هذا الذی یقوم بهم فی المصحف أو یصلی فی بیته؟ فقال: لا , ولكن یصل فی بیته وعن أحمد رحمہ اللہ: " فی رجل یوم فی رمضان فی المصحف , فرخص فیہ فقيل له: یوم فی الفریضة؟ قال: ویكون هذا " وعنه أيضاً وقد سئل هل یوم فی المصحف فی رمضان؟ قال: ما یعجبنی إلا أن یضطر إلى ذلك , وبه قال إسحاق (مختصر قیام اللیل لمحمد بن نصر المروزی, ص ۲۳۳, باب الإمام یوم فی القيام یقرأ فی المصحف)

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس فعل سے نماز فاسد ہو جائے گی۔
لیکن ہمارے علم میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ کسی اور سے نماز فاسد ہونے کا
قول مروی نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد، امام ابو یوسف اور امام محمد بھی نماز کو فاسد قرار
نہیں دیتے۔

اور ہمیں نماز فاسد ہونے کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوئی، کیونکہ قرآن مجید کی
قرائت تو نماز کا عمل ہے، اور قرآن کو دیکھنا، نماز کے فاسد ہونے کا سبب نہیں۔
بعض یہ کہتے ہیں کہ نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا، ایسا ہی ہے، جیسا کہ کوئی حساب
و کتاب کی کتاب پڑھنا۔

لیکن یہ قیاس درست نہیں، کیونکہ قرائت قرآن تو نماز کا عمل ہے، جبکہ حساب
و کتاب کا نماز کے عمل سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ انتہی۔ ۱۔

۱۔ باب من كره أن يؤم في المصحف الأعمش عن إبراهيم رحمه الله: كانوا
يكرهون أن يؤم الرجل في المصحف كراهية أن يتشبهوا بأهل الكتاب ليث عن مجاهد
رحمه الله أنه كره أن يؤم الرجل في المصحف ومر سليمان بن حنظلة بقوم يؤمهم رجل
في مصحف في رمضان على مشجب فرمى به "وعن الشعبي: أنه كره أن يقرأ الإمام
في المصحف وهو يصلي" وقال سفيان رحمه الله: يكره أن يؤم الرجل القوم في
رمضان في المصحف أو في غير رمضان، يكره أن يتشبه بأهل الكتاب وعن أبي حنيفة
رحمه الله: في الرجل يؤم القوم يقرأ في المصحف أن صلاته فاسدة وخالفه صاحبه
فقالا: صلاته تامة، ويكره هذا الصنيع لأنه صنيع أهل الكتاب قال محمد بن نصر ولا
نعلم أحدا قبل أبي حنيفة أفسد صلاته، إنما كره ذلك قوم لأنه من فعل أهل الكتاب
فكرهوا لأهل الإسلام أن يتشبهوا بهم، فأما إفساد صلاته فليس لذلك وجه نعلمه لأن
قراءة القرآن هي من عمل الصلاة ونظره في المصحف كنظره إلى سائر الأشياء التي
ينظر إليها في صلاته، ثم لا يفسد صلاته بذلك في قول أبي حنيفة وغيره فشيء ذلك
بعض من يحتج لأبي حنيفة بالرجل يعترض في كتب حسابه أو كتب وردت عليه،
فيقرأها في صلاته، وإن لم يلفظ فإن ذلك يفسد صلاته فيما زعم. قال محمد بن نصر
رحمه الله: وقراءة القرآن بعيدة الشبه من قراءة كتب الحساب والكتب الواردة لأن

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ اور اس جیسے آثار و روایات سے جمہور فقہائے کرام علیہم الرحمہ، اور خاص کر امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ ان میں سے بعض روایات و آثار میں تو نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کا ثبوت ہے، جن سے اس عمل کی بناء پر نماز فاسد نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اور بعض روایات و آثار سے اس عمل کا مکروہ ہونا معلوم ہوتا ہے، نماز کا فاسد ہونا معلوم نہیں ہوتا۔

خاص کر تراویح کی نماز میں آثار و روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے، اور تراویح کی نماز ”تطوع“ میں داخل ہے، اور ”تطوع“ میں شریعت نے زیادہ توسع اور وسعت کی رعایت کی ہے، فی الجلاس، والدایۃ وغیرہما۔ ۱

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قراءة القرآن من عمل الصلاة وليست قراءة كتب الحساب من عمل الصلاة في شيء , فمن فعل ذلك فهو كرجل عمل في صلاته عملا ليس من أعمال الصلاة , فما كان من ذلك خفيفا يشبه ما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه فعله في صلاته مما ليس هو من أعمال الصلاة أو كان يقارب ذلك جازت الصلاة وما جاوز ذلك فسدت صلاته (مختصر قيام الليل لمحمد بن نصر المروزي، ص ۲۳۲، باب من كره أن يؤم في المصحف)

۱ و كانت عائشة : يؤمها عبدها ذكوان من المصحف (صحيح البخاري، باب إمامة العبد والمولى)

يوسف عن أبيه قال : وبلغني عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال في الرجل يؤم القوم وهو ينظر في المصحف إنه يكره ذلك ، وقال : كنفعل أهل الكتاب (الآثار، لابی يوسف، رقم الحديث ۱۷۱) حدثنا عبد الله حدثنا يحيى بن محمد بن السكن ، حدثنا عثمان بن عمر ، أخبرنا يونس ، عن الزهري ، عن القاسم أن عائشة كانت تقرأ في المصحف فتصلي في رمضان أو غيره (المصاحف لابن أبي داود، رقم الحديث ۶۵۷)

حدثنا عبد الله حدثنا عبد الله بن سعيد ، حدثنا المحاربي ، عن ليث ، عن مجاهد ، أنه كره أن يؤم الرجل في المصحف (المصاحف لابن أبي داود، رقم الحديث ۶۵۹)

حدثنا عبد الله حدثنا عبد الله بن سعيد ، حدثنا أبو خالد ، عن الأعمش ، عن إبراهيم قال : كانوا يكرهون أن يؤموا ، في المصحف (لثلا) يتشبهوا بأهل الكتاب (المصاحف لابن أبي داود، رقم

الحديث ۶۶۳) ﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

اور جواز و کراہت کا مجموعہ ”کراہت تنزیہی“ پر بھی دلالت کرتا ہے۔
اور فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق ”تشبہ“ کا قصد و ارادہ نہ ہونے سے وہ کراہت بھی دور
ہو جاتی ہے۔

جہاں تک نماز میں قرآن مجید، دیکھ کر پڑھنے کی صورت میں ”عمل کثیر“ لازم آنے کا تعلق

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حدثنا عبد الله حدثنا أسيد بن عاصم ، وحدثنا سعيد بن عامر ، عن شعبة ، عن مغيرة ، عن إبراهيم ،
أنه كان يكره الإمامة في المصحف ويقول : يتشبهوا بأهل الكتاب (المصاحف لابن أبي داود، رقم
الحديث ٢٦٤)

حدثنا عبد الله حدثنا علي بن أبي الخصيب قال : أخبرنا وكيع ، عن سفیان ، عن عطاء بن السائب ،
عن أبي عبد الرحمن السلمي ، أنه كره أن يؤم في المصحف (المصاحف لابن أبي داود، رقم
الحديث ٢٤٠)

حدثنا عبد الله حدثنا هارون بن سليمان ، حدثنا أبو عامر ، حدثنا رباح ، عن عطاء ، أنه كان لا يرى
بأسا أن يقرأ في المصحف (المصاحف لابن أبي داود، رقم الحديث ٢٨٣)
حدثنا عبد الله حدثنا أحمد بن سعيد الهمداني ، حدثنا عبد الله بن وهب ، حدثنا معاوية بن صالح ،
عن يحيى بن سعيد الأنصاري قال : لا أرى بالقراءة من المصحف في رمضان بأسا ، يريد القرآن
(المصاحف لابن أبي داود، رقم الحديث ٢٨٥)

حدثنا عبد الله حدثنا إبراهيم بن مروان بن محمد الطاطري ، حدثنا أبي ، حدثنا عبد العزيز بن
محمد قال : حدثني محمد بن عبد الله ابن أخي ابن شهاب قال : سألت ابن شهاب عن القراءة في
المصحف يوم الناس ، فقال : لم يزل الناس منذ كان الإسلام يفعلون ذلك (المصاحف لابن أبي
داود، رقم الحديث ٢٨٦)

حدثنا عبد الله حدثنا أبو الطاهر قال : أخبرنا ابن وهب قال : حدثني عبد العزيز بن محمد ، عن
محمد بن عبد الله ابن أخي ابن شهاب ، عن عمه : عن رجل يصلي لنفسه أو يؤم قوما ، هل يقرأ في
المصحف ؟ فقال : نعم ، لم يزل الناس يفعلون ذلك منذ كان الإسلام (المصاحف لابن أبي
داود، رقم الحديث ٢٨٤)

حدثنا عبد الله حدثنا أبو الربيع قال : أنبأنا ابن وهب قال : سمعت مالكا ، وسئل عن يوم الناس في
رمضان في المصحف ؟ فقال : لا بأس بذلك إذا اضطروا إلى ذلك قال : وكان العلماء يقومون
لبعض الناس في رمضان في البيوت (المصاحف لابن أبي داود، رقم الحديث ٢٨٨)

حدثنا عبد الله حدثنا علي بن محمد بن أبي الخصيب قال : أخبرنا وكيع ، عن جرير بن حازم قال :
رأيت ابن سيرين يصلي متربعا والمصحف إلى جنبه ، فإذا تعافيا في شيء أخذه فنظر فيه (المصاحف
لابن أبي داود، رقم الحديث ٢٨٩)

﴿ بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

ہے، تو ضروری نہیں کہ ہر کوئی اس فعل کو ”عمل کثیر“ لازم آنے ہی کی صورت میں انجام دے، بلکہ عین ممکن ہے کہ ممکنہ حد تک اپنے آپ کو ”عمل کثیر“ سے بچانے کا اہتمام کرے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام و تابعین عظام جن سے نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا اور سنتا منقول ہے، وہ بھی اپنے ہاتھ وغیرہ میں اٹھا کر ہی قرآن مجید کو دیکھتے اور اس کے اوراق کو پلٹا کرتے ہوں گے، جبکہ اس زمانے میں لمبی لمبی تلاوت کا معمول تھا، اور موجودہ زمانے کی طرح قرآن مجید دیکھنے اور پڑھنے کی مختلف و متنوع شکلیں اور سہولیات بھی نہیں تھیں۔

اب یا تو یہ کہا جائے کہ وہ نماز میں قرآن مجید اٹھانے اور رکھنے اور بقدر ضرورت ورق گردانی کرنے کو عمل کثیر، شمار نہیں کیا کرتے تھے، یا پھر وہ قرآن مجید صحیح پڑھنے کے لئے اس عمل کو نماز کی اصلاح و ضرورت میں داخل قرار دے کر مفسد نہیں سمجھتے تھے، بلکہ نماز کے لئے ایک طرح سے معین سمجھتے تھے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حدثنا عبد اللہ حدثنا محمد بن بشار قال : أخبرنا روح ، حدثنا هشام ، عن محمد ، أنه كان يصلی قاعدا والمصحف إلى جنبه ، فإذا شك في شيء نظر فيه وهو في الصلاة (المصاحف لابن أبي داود، رقم الحديث ۶۹۰)

حدثنا عبد اللہ حدثنا محمد بن بشار ، حدثنا ابن أبي عدی ، عن هشام قال : كان محمد ينشر المصحف فيضعه إلى جانبه ، فإذا شك نظر فيه ، وهو في صلاة التطوع (المصاحف لابن أبي داود، رقم الحديث ۶۹۱)

حدثنا عبد اللہ حدثنا يعقوب بن إسحاق القلوسی ، حدثنا المعلى بن أسد ، حدثنا ابن الأغلّب قال : أخبرنا یونس قال : دخل علی ابن سیرین وهو یصلی قاعدا یقرأ فی مصحف وفي یده مروحة یتروح بها (المصاحف لابن أبي داود، رقم الحديث ۶۹۲)

وروی ابن ابی داود فی (کتاب المصاحف) من طریق أبیوب عن ابن ابی ملیکة : أن عائشة کان یؤمها غلامها ذکوان فی المصحف . وذکوان : بالذال المعجمة ، وکنیته أبو عمرو ، مات فی أيام الحرّة أو قتل بها . قوله : (وهو یومئذ غلام) ، الغلام هو الذی لم یحتلم ، ولكن الظاهر أن المراد منه المراهق ، وهو کالبالغ . قوله : (من المصحف) ، ظاهره یدل علی جواز القراءة من المصحف فی الصلاة ، وبه قال ابن سیرین والحسن والحکم وعطاء ، وكان أنس یصلی وغلام خلفه یمسک له المصحف ، وإذا تعایا فی آية فتح له المصحف (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ج ۵، ص ۲۲۵، باب إمامة العبد والمولی)

پھر ”عمل کثیر“ کے متعلق مختلف اقوال پہلے ذکر کیے جا چکے ہیں، اور یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جو فعل، نماز کی اصلاح و درستگی کے لیے اختیار کیا جائے، اس میں خود حنفیہ نے زیادہ توسع کو اختیار کیا ہے، اور بطور خاص تراویح میں پورا قرآن مجید پڑھنا، یا سننا، چونکہ سنت ہے، اس لیے اس نماز میں پورے قرآن مجید کو درست اور صحیح پڑھنے کی کوشش و جستجو کرنا بھی اس نماز کی اصلاح و درستگی میں داخل ہے۔

اس مسئلہ میں بہت سے حنفیہ کا رجحان امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے، جس کے پیش نظر، نماز میں امام، یا مقتدی کو، یا تنہا نماز پڑھنے والے کو قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا جائز نہیں، اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، حنفیہ میں سے اہل علم و اہل افتاء کے بڑے طبقے کے فتاویٰ بھی اسی کے مطابق ہیں، اور ہمارے یہاں اسی بات کو بہت سے عوام میں شہرت بھی حاصل ہے۔

لیکن چونکہ دیگر فقہائے کرام اور خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک محض قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، خواہ امام دیکھ کر پڑھے، یا مقتدی دیکھ کر سنے، یا تنہا نماز پڑھنے والا دیکھ کر پڑھے۔

البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ فعل مکروہ ہوتا ہے، لیکن وہ بھی اس صورت میں مکروہ ہوتا ہے، جب کہ اہل کتاب کے ساتھ تشبہ کا قصد و ارادہ ہو، اور اگر اہل کتاب کے ساتھ تشبہ و مشابہت کا قصد و ارادہ نہ ہو، تو پھر مکروہ بھی نہیں ہوتا، اور جس طرح نماز میں قرآن پڑھنا عبادت ہے، اسی طرح قرآن مجید کو دیکھنا بھی عبادت ہے، اس لیے یہ فعل بذاتِ خود مذموم نہیں، بلکہ ایک حیثیت سے دو عبادتوں کا مجموعہ ہے۔

اور ہمیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول زیادہ معقول اور راجح معلوم ہوتا ہے، جس کی بناء پر اگر کوئی بوقتِ ضرورت اس پر عمل کرے، مثلاً تراویح میں کوئی پختہ حافظ قرآن، یا سرے سے حافظ قرآن سامع میسر نہ ہو، تو ایسی صورت میں اس کی اقتداء

کرنے والے مقتدی کو، قرآن مجید دیکھ کر سماعت کرنا، یا کسی مجبوری و شبہ کی صورت میں خود امام کا قرآن مجید کو دیکھ لینا، اور اس کو دیکھ کر پڑھ لینا، جائز ہوگا، اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، لیکن اپنی طرف سے اس چیز کا بہر حال حتی الامکان اہتمام کرنا چاہئے کہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے، یا سننے کے لیے ہاتھوں کی کم از کم نقل و حرکت کرنی پڑے۔

اور پہلے جو عمل کثیر کے متعلق مختلف اقوال ذکر کیے گئے، اگر ان میں سے کسی قول کے مطابق عمل کثیر لازم نہ آ رہا ہو، بطور خاص جبکہ وہ عمل کرنے والا، اپنے اس عمل کو ”عمل کثیر“ نہ سمجھ رہا ہو، یا قرآن مجید ایک ہاتھ میں لے رکھا ہو، اور ورق گردانی کے لئے پے در پے کے بجائے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد حرکت کر رہا ہو، تو دلائل کے پیش نظر فیما بیننا و بین اللہ، ہم اپنا رجحان اس طرف کرنے پر مجبور ہوئے کہ بوقتِ ضرورت اس پر عمل کر لینے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، بلکہ ایسی صورت میں امید ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی ایک توجیہ کے مطابق بھی نماز کے لیے مفسد نہ ہوگا، اور اس طرح سے تقریباً جملہ فقہائے کرام کے اقوال کے قریب تر ہو جائے گا، بالخصوص جبکہ وہ حافظِ قرآن ہو، اور پورا قرآن دیکھ کر نہ پڑھے، بلکہ بوقتِ ضرورت تھوڑا بہت کسی جگہ دیکھ لے، جبکہ سننے والے مقتدی کے دیکھ کر سننے کا مسئلہ اور بھی ہلکا ہے، کیونکہ وہ صرف قرآن مجید پر نظر رکھتا ہے، پڑھتا نہیں ہے، البتہ بعض مقامات سے دیکھ کر تھوڑی سی آیت کا تلفظ کر کے لقمہ دیتا ہے۔

اور آج کل ہمارے یہاں جس طرح سے تراویح میں ہر کس و نا کس سے قرآن مجید سننے کا رواج ہے، اس میں اکثر و بیشتر ایسی اغلاط رہ جاتی ہیں، جو بعض اوقات اشتباہ وغیرہ کی وجہ سے سامع اور مقتدی کی نظروں سے بھی مخفی رہ جاتی ہیں، اور اس طرح تراویح میں پورے قرآن مجید کو پڑھ یا سن کر سنت کی ادائیگی میں کمزوری رہ جاتی ہے۔

اور بعض اوقات کسی آیت میں امام اور سامع، دونوں ہی صحیح اور غلط پڑھنے کے مسئلے میں تذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں، جبکہ بعض مقامات پر صحیح اور غلط پڑھنے کی نصیحتیں کے سلسلے میں

اختلاف و انتشار بھی سامنے آتا ہے۔

اور ایسی غلطیاں بھی قرائت میں واقع ہو جاتی ہیں، جو عند الفقہاء، نماز کے لیے مفسد ہیں۔

مذکورہ طریقے کو اختیار کرنے سے اس قسم کی چیزوں سے بھی حفاظت ممکن ہو سکے گی۔

البتہ اس طرزِ عمل کو عام معمول و عادت نہ بنایا جائے کہ ہر قسم کی نمازوں میں یہ عمل شروع کر دیا جائے، بلکہ ان میں تو جتنی قرائت یاد ہو، اس کو زبانی پڑھنے پر اکتفاء کیا جائے، البتہ نوافل

اور بطورِ خاص، تراویح میں بوقتِ ضرورت اس پر عمل کو محدود رکھا جائے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مذکورہ تفصیل ہمارے اپنے رجحان کے مطابق ہے۔

اور ہم اپنے دیگر مضامین میں باحوالہ اور مفصلاً یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ فقہائے کرام میں

سے کسی کا قول فی نفسہ منکر نہیں ہوتا، اور اس پر عمل کرنے والا بھی قابلِ نکیر نہیں ہوتا۔

البتہ جس کارِ رجحان دوسرے قول کی طرف ہو، وہ اسی قول کو اختیار کرنے کا مکلف ہے۔

اور ان دونوں باتوں میں درحقیقت کوئی ٹکراؤ نہیں۔

یہ بات اس لیے ذکر کر دی گئی کہ ہم نے جس قول کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا، وہ قول چونکہ

ہمارے یہاں معروف نہیں، جس کی وجہ سے اس کو قابلِ نکیر نظر سے دیکھا جاتا ہے، اس لیے

اس کو محض اجنبی ہونے کی نظر سے دیکھنے کے بجائے، فقہائے کرام کے اقوال اور ان کے

دلائل کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

بعض اوقات فقہائے کرام کے اقوال اور ان کے دلائل پر نظر نہ ہونے سے کئی قسم کی خرابیاں

لازم آ جایا کرتی ہیں، ان سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

اس کے باوجود بھی کوئی نکیر کرتا رہے، تو وہ جانے، اس کا کام جانے، البتہ علمی و تحقیقی اعتبار

سے کلام کے لیے، ہر صاحبِ الرائے و صاحبِ النظر کے لیے راستے کھلے ہیں، جس میں ان

شاء اللہ تعالیٰ ہم بھی حصہ دار بننے کے لئے تیار ہیں۔

فقط

وَاللّٰهُ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ .

محمد رضوان خان

30 / شعبان المعظم / 1441ھ / 24 / اپریل / 2020 بروز جمعہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

نماز تراویح میں قرائت کی غلطی کا حکم

سوال

محترم مفتی صاحب!

مجھ سے رمضان المبارک کی تراویح کی نماز کی امامت میں قرائت کے دوران قرآن مجید کی سورۃ ہود کی آیت نمبر 106 ”فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُّوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ“ کی تلاوت میں ”فَأَمَّا الَّذِينَ اَمِنُوا شَقُّوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ“ کی نادانستہ، خطا تلاوت ہوگئی، میں چونکہ اپنی تراویح کو موبائل میں ریکارڈ کر کے بعد میں اُسے سنتا ہوں، اس لیے تراویح سے فراغت کے بعد گھر آ کر جب میں نے اپنی ریکارڈنگ سنی تو مذکورہ غلطی سامنے آئی۔

اس وقت چونکہ رات کو دیر ہوگئی تھی، اس لیے رات کو طلوع فجر تک کسی مفتی صاحب سے رابطہ بھی نہ ہوسکا، البتہ یہ سنا ہوا تھا کہ نماز میں قرائت کرتے ہوئے بعض غلطیوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور اس نماز کو لوٹانا واجب ہو جاتا ہے۔

جب بعض مفتیان کرام سے رابطہ کیا، تو انہوں نے کہا کہ یہ مسئلہ قابلِ غور ہے، اس پر غور کر کے تحریری فتویٰ دیا جاسکتا ہے، جب ان کی خدمت میں سوال لکھ کر بھیجا گیا، تو انہوں نے اس کے جواب میں اتنی تاخیر کردی کہ اب قرآن مجید بھی ختم ہو گیا، اور نمازی بھی تتر بتر ہو گئے۔

اب جبکہ اس واقعہ کو کئی روز گزر چکے ہیں، اور اس وقت کے مقتدی حضرات بھی موجود نہیں ہیں، اور نہ ہی ان کا علم ہے کہ وہ کون کون تھے؟

تو اس صورتِ حال میں کیا حکم ہے؟

والسلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جواب

بعض فقہائے کرام نے نماز کے دوران، سورہ فاتحہ میں غلطی ہو جانے کی وجہ سے نماز کو فاسد قرار دیا ہے، خواہ وہ غلطی ایسی ہو کہ معنی میں بھی تغیر پیدا نہ ہو، جبکہ بعض حضرات نے قرأت کی غلطی میں سورہ فاتحہ اور غیر سورہ فاتحہ کا کوئی فرق نہیں کیا۔ ۱

۱ اللحن فی القراءة فی الصلاة:

ذهب الفقهاء إلى أن تعمد اللحن في الصلاة إن كان في الفاتحة يبطل الصلاة واختلوا فيه إذا لم يعتمد، أو كان في غير الفاتحة.

قال الشافعية والحنابلة: إن كان اللحن لا يغير المعنى كرفع هاء الحمد لله كانت إمامته مكروهة كراهة تنزيهية وصحت صلاته وصلاة من اقتدى به.

وإن غير المعنى كضم "تاء" "أنعمت، وكسرها، وكقوله: اهـدنا الصراط المستقيم بدل "المستقيم".

فإن كان يمكن له التعلم فهو مرتكب للحرام، ويلزمه المبادرة بالتعلم، فإن قصر، وضاق الوقت لزمه أن يصلى، ويقضى، ولا يصح الاقتداء به، وإن لم يمكنه التعلم لعجز في لسانه، أو لم تمض مدة يمكن له التعلم فيها فصلاته صحيحة، وكذا صلاة من خلفه، هذا إذا وقع اللحن في الفاتحة، وإن لحن في غير الفاتحة كالسورة بعد الفاتحة صحت صلاته، وصلاة كل أحد صلى خلفه، لأن ترك السورة لا يبطل الصلاة فلا يمنع الاقتداء به.

وقال الحنفية: تفسد الصلاة باللحن الذي يغير المعنى تغييرا يكون اعتقاده كفرا سواء وجد مثله في القرآن أم لا، إلا ما كان في تبديل الجمل مفصولا بوقف تام، وإن لم يكن مثله في القرآن، والمعنى بعيد، ويتغير به المعنى تغييرا فاحشا تفسد الصلاة به أيضا، كـ "هذا الغبار" بدل "هذا الغراب" وكذا إن لم يوجد مثله في القرآن، ولا معنى له مطلقا، كالسرائل، بدل "السرائر".

وإن كان في القرآن مثله وكان المعنى بعيدا ولكن لا يغير المعنى تغييرا فاحشا تفسد الصلاة به عند أبي حنيفة ومحمد، وقال بعض الحنفية: لا تفسد لمعوم البلوى، وهو قول أبي يوسف وإن لم يكن في القرآن ولكن لم يتغير به المعنى نحو "قيامين" بدل "قوامين" فالخلاف بينهم بالعكس: فالمعتبر في عدم الفساد عند عدم تغير المعنى كثيرا وجود المثل في القرآن عند أبي يوسف. والموافقة في المعنى عند أبي حنيفة ومحمد، فهذه قواعد المتقدمين من أئمة الحنفية، وأما المتأخرون: كابن مقاتل، وابن سلام، وإسماعيل الزاهد، وأبي بكر البلخي، والهندواني، وابن الفضل فاتفقوا على أن الخطأ في الإعراب لا يفسد الصلاة مطلقا، وإن أدى اعتقاده كفرا، ككسر "ورسوله"، في قوله تعالى: (أن الله برىء من المشركين ورسوله) لأن أكثر الناس لا يميزون بين وجوه الإعراب، وإن كان الخطأ بإبدال حرف بحرف: فإن أمكن الفصل بينهما بلا كلفة كالصاد

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نماز میں قرائت کرتے ہوئے سورہ فاتحہ کے علاوہ میں ایسی غلطی ہو جائے کہ جس سے معنی میں تغیر پیدا نہیں ہوتا، تو اس کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

البتہ جس غلطی سے معنی میں تغیر پیدا ہو جائے، اس کے متعلق فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ ا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مع الطاء بأن قرأ الطالحات، بدل "الصالحات" فهو مفسد باتفاق أئمتهم، وإن لم يمكن التمييز بينهما إلا بمشقة كالطاء مع الصاد والصاد مع السين فأكثرهم على عدم الفساد لعموم البلوى، ولم يفرق الحنفية بين أن يقع اللحن في القراءة في الصلاة في الفاتحة أو في غيرها. وقال المالكية في أصح الأقوال عندهم: لا تبطل الصلاة بلحن في القراءة ولو بالفاتحة، وإن غير المعنى، وأثم المقتدى به إن وجد غيره، ممن يحسن القراءة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۵، ص ۲۱۶، مادة "الحن")

ا اتفاق الفقهاء على أن اللحن في القراءة إن كان لا يغير المعنى فإنه لا يضر وتصح الصلاة معه. واختلفوا في اللحن الذي يغير المعنى.

فذهب الحنفية إلى أن اللحن إن غير المعنى تغييراً فاحشاً بأن قرأ: (وعصى آدم ربه)، بنصب الميم ورفع الرب وما أشبه ذلك -مما لو تعمد به يكفر- إذا قرأه خطأ فسدت صلاته في قول المتقدمين.

وقال المتأخرون محمد بن مقاتل، وأبو نصر محمد بن سلام، وأبو بكر بن سعيد البلخي، والفقهاء أبو جعفر الهندواني، وأبو بكر محمد بن الفضل، والشيخ الإمام الزاهد وشمس الأئمة الحلواني: لا تفسد صلاته.

وفي الفتاوى الهندية: ما قاله المتقدمون أحوط؛ لأنه لو تعمد يكون كفراً، وما يكون كفراً لا يكون من القرآن، وما قاله المتأخرون أوسع؛ لأن الناس لا يميزون بين إعراب وإعراب، والفتوى على قول المتأخرين.

وذهب المالكية في المعتمد عندهم إلى أن اللحن ولو غير المعنى لا يبطل الصلاة، وسواء ذلك في الفاتحة أو غيرها من السور.

وذهب الشافعية إلى أن اللحن إذا كان يغير المعنى فإنه لا يضر في غير الفاتحة إلا إذا كان عامداً عالماً قادراً، وأما في الفاتحة فإن قدر وأمكنه التعلم لم تصح صلاته، وإلا فصلاته صحيحة.

ونص الحنابلة على أن اللحن إن كان يحيل المعنى فإن كان له القدرة على إصلاحه لم تصح صلاته، لأنه أخرجه عن كونه قرآناً، وإن عجز عن إصلاحه قرأ الفاتحة فقط التي هي فرض القراءة لحديث: إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم، ولا يقرأ ما زاد عن الفاتحة، فإن قرأ عامداً بطلت صلاته ويكفر إن اعتقد بإحاطته، وإن قرأ نسياناً أو جهلاً أو خطأ لم تبطل صلاته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۳، ص ۵۲، مادة "قراءة")

چنانچہ نماز کے اندر قرأت کرتے ہوئے ایسی غلطی، جس سے معنی میں فاحش تغیر پیدا ہو جائے، تو فقہائے کرام اور بالخصوص فقہائے حنفیہ کی عام تصریح کے مطابق وہ نماز فاسد ہو جاتی ہے، خواہ وہ نماز فرض ہو، یا غیر فرض ہو۔

البتہ بعض متأخرین حنفیہ نے عمومِ بلوئی اور تنگی و حرج سے بچنے کے لیے اعراب کے اندر ایسی غلطی ہونے سے نماز کے فاسد نہ ہونے کا حکم لگایا ہے، جو معنی میں فاحش تغیر کا باعث ہو۔

۱۔ رابعا: الخطأ في القراءة:

قال الحنفية: خطأ القارئ إما في الإعراب، أو في الحروف، أو في الكلمات، أو الآيات، وفي الحروف إما بوضع حرف مكان آخر أو تقديمه، أو تأخيره، أو زيادته، أو نقصه. أما الإعراب فإن لم يغير المعنى لا تفسد الصلاة؛ لأن تغييره خطأ لا يستطاع الاحتراز عنه فيعذر، وإن غير المعنى تغييرا فاحشا مما اعتقده كفر، مثل الباء المصور - بفتح الواو - و (إنما يخشى الله من عباده العلماء) برفع اسم الجلالة ونصب العلماء - فسدت في قول المتقدمين، واختلف المتأخرون: فقال جماعة منهم: لا تفسد. وما قاله المتقدمون أحوط؛ لأنه لو تعمد بكون كفرا، وما يكون كفرا لا يكون من القرآن، فيكون متكلما بكلام الناس الكفار غلطا وهو مفسد، كما لو تكلم بكلام الناس ساهيا مما ليس بكفر فكيف وهو كفر، وقول المتأخرين أوسع؛ لأن الناس لا يميزون بين وجوه الإعراب.

ويتصل بهذا تخفيف المشدد، وعامة المشايخ على أن ترك المد والتشديد كالخطأ في الإعراب، فلذا قال كثير بالفاسد في تخفيف - (رب العالمين) - و - (إياك نعبد) - والأصح لا تفسد. وأما في الحروف فإذا وضع حرفا مكان غيره فإما أن يكون خطأ أو عجزا، فالأول إن لم يغير المعنى وكان مثله موجودا في القرآن نحو - إن المسلمون - لا تفسد، وإن لم يغير وليس مثله في القرآن نحو - قيامين بالقسط - والتيايين - والحي القيام - لم تفسد عندهما، وعند أبي يوسف تفسد. وإن غير المعنى فسدت عندهما وعند أبي يوسف إن لم يكن مثله في القرآن. فلو قرأ أصحاب الشعير - بشين معجمة فسدت اتفاقا - فالعبرة في عدم الفساد عندهما بعدم تغير المعنى - وعند أبي يوسف العبرة بوجود المثل في القرآن.

وأما التقديم والتأخير فإن غير، نحو قوسرة في قسورة فسدت، وإن لم يغير لا تفسد عند محمد خلافا لأبي يوسف.

وأما الزيادة ومنها فك المدغم، فإن لم يغير نحو (وانها عن المنكر) بالألف (ورادوه إليك) لا تفسد عند عامة المشايخ، وعن أبي يوسف روايتان. وإن غير نحو (زرابيب) مكان (زرابي) (والقرآن الحكيم) وإنك لمن المرسلين) (وإن سعيكم لشتى) بزيادة الواو في الموضوعين تفسد. وكذا النقصان إن لم يغير لا تفسد نحو (جائهم) مكان (جائتهم) وإن غير فسد نحو (النهار إذا تجلى) ما خلق الذكر والأنثى) بلا واو.

﴿يقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

متقدمین حنفیہ نے تو اعراب اور الفاظ کی ہر اس غلطی کو نماز کے فاسد ہونے کا سبب قرار دیا تھا، جس سے معنی میں تغیر فاحش پیدا ہو جائے، مثلاً کوئی ”وعصیٰ آدم ربہ“ میں ”آدم“ کے ”میم“ پر ”زبر“ اور ”ربہ“ کے ”باء“ پر ”پیش“ پڑھے، یا ایسی کسی اور غلطی کا ارتکاب کرے کہ اگر اس کے معنی کو سمجھتے ہوئے، جان بوجھ کر غلط پڑھتا، تو وہ باعثِ کفر ہوتا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أما الكلمة مكان الكلمة فإن تقاربا معنى، ومثله في القرآن كالحكيم مكان العليم، لم تفسد اتفاقا، وإن لم يوجد المثل كالفاجر مكان الأثيم فكذلك عندهما، وعن أبي يوسف روايتان، فلو لم يتقاربا ولا مثل له فسدت اتفاقا إذا لم يكن ذكرا، وإن كان في القرآن وهو مما اعتقاده كقائلين في (إنا كنا فاعلين) فعاما المشايخ على أنها تفسد اتفاقا .

وأما التقديم والتأخير فإن لم يغير لم تفسد نحو (فأثبتنا فيها حبا وعنبا وقضبا)، وإن غير فسدت نحو اليسر مكان العسر وعكسه.

وأما الزيادة فإن لم تغير وهي في القرآن نحو (وبالوالدين إحسانا وبرا) لا تفسد في قولهم، وإن غيرت فسدت الصلاة لأنه لو تعمد كفر، فإذا أخطأ فيه أفسد .

مذهب المالكية:

بحث المالكية هذه المسألة في صلاة المقتدى باللاحن.

فقال الخرشى: قيل: تبطل صلاة المقتدى بالاحن مطلقا، أى في الفاتحة أو غيرها، سواء غير المعنى ككسر كاف {إياك} {وحم تاء} {أنعمت} {أم لا، وجد غيره أم لا، إن لم تستر حالتها أو إن كان لحنه في الفاتحة دون غيرها؟ قولان. ثم قال: ومحل الخلاف فيمن عجز عن تعلم الصواب لضيق الوقت أو لعدم من يعلمه مع قبول التعليم، أو ائتم به من ليس مثله لعدم وجود غيره. وأما من تعمد اللحن فصلاته وصلاة من اقتدى به باطلة بلا نزاع؛ لأنه أتى بكلمة أجنبية في صلاته، ومن فعله ساهيا لا تبطل صلاته ولا صلاة من اقتدى به قطعا بمنزلة من سها عن كلمة فأكثر في الفاتحة أو غيرها.

وإن فعل ذلك عجزا بأن لا يقبل التعليم فصلاته وصلاة من اقتدى به صحيحة أيضا قطعا، لأنه بمنزلة الألكنة، وسواء وجد من ائتم به أو لا.

وإن كان عجزه لضيق الوقت أو لعدم من يعلمه مع قبوله التعليم، فإن كان مع وجود من ياتم به، فإن صلاته وصلاة من ائتم به باطلة سواء أكان مثل الإمام في اللحن أم لا، وإن لم يجد من ياتم به فصلاته وصلاة من اقتدى به صحيحة إن كان مثله، وإن لم يكن مثله بأن كان ينطق بالصواب في كل قرائته، أو صوابه أكثر من صواب إمامه فإنه محل خلاف.

وهل تبطل صلاة المقتدى بغير مميز بين ضاد وطاء ما لم تستر حالتها؟ قال بالبطلان: ابن أبي زيد والقابسي وصححه ابن يونس وعبد الحق.

﴿بقية حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن بعض متاخرین حنفیہ کا اس میں اختلاف ہوا ہے، چنانچہ محمد بن مقاتل اور ابو نصر محمد بن سلام اور ابو بکر بن سعید بلخی اور ابو جعفر ہندوانی اور ابو بکر محمد بن فضل اور شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ اعراب میں اس قسم کی غلطی سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما صلاته هو فصحيحة، إلا أن يترك ذلك عمدا مع القدرة عليه. ثم قال: وظاهره جريان هذا الخلاف فيمن لم يميز بين الضاد والطاء في الفاتحة وغيرها، وفي المواق تقييده بمن لم يميز بين الضاد والطاء بينهما في الفاتحة، وذكر الحطاب والناصر اللقاني ما يفيد أن الراجح صحة الاقتداء بمن لم يميز بينهما، وحكى المواق الاتفاق عليه، وحكم من لم يميز بين الضاد والسين كمن لم يميز بين الضاد والطاء، وكذا بين الزاي والسين.

وقال الشافعية: يصح الاقتداء بلاحن بما لا يغير المعنى كضم الهاء في (الله) فإن غير معنى في الفاتحة كأنعمت بضم أو كسر ولم يحسن اللاحن الفاتحة فكأما لا يصح اقتداء القارئ به أمكنه التعلم أو لا، ولا صلاته إن أمكنه التعلم وإلا صحت كاقتهائه بمثله، فإن أحسن اللاحن الفاتحة وتعمد اللحن أو سبق لسانه إليه ولم يعد القراءة على الصواب في الثانية لم تصح صلاته مطلقا ولا الاقتداء به عند العلم بحال، أو في غير الفاتحة كجبر اللام في قوله (إن الله برىء من المشركين ورسوله) صحت صلاته وصلاة المقتدى به حال كونه عاجزا عن التعلم، أو جاهلا بالتحريم، أو ناسيا كونه في الصلاة.

وقال الحنابلة: لا تصح إمامة الأُمى وهو من لا يحسن الفاتحة أو يدغم منها حرفا لا يدغم، أو يلحن فيها لحنًا يحيل المعنى كفتح همزة اهدنا؛ لأنه يصير بمعنى طلب الهدية لا الهداية، وضم تاء أنعمت وكسرها وكسر كاف إياك، فإن لم يحل المعنى كفتح دال تعبد ونون نستعين فليس أميا وإن أتى باللحن المحيل للمعنى مع القدرة على إصلاحه لم تصح صلاته لأنه أخرجه عن كونه قرآنا فهو كسائر الكلام، وحكمه حكم غيره من الكلام، وإن عجز عن إصلاح اللحن المحيل للمعنى قرأه في فرض القراءة لحديث: إذا أمرتكم بشيء فأتوا منه ما استطعتم وما زاد عن الفاتحة تبطل الصلاة بعمده (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١٩، ص ١٣٣ إلى ص ١٣٤، مادة "خطأ")

اللحن في القراءة، أو زلة القارئ: للحنفية في هذا رأيان: رأى المتقدمين، ومعهم الشافعية في الجملة، وهو الأحوط، ورأى المتأخرين، وهو الأيسر.

ويتلخص رأى المتقدمين فيما يأتي:

تبطل الصلاة بكل ما غير المعنى تغيرا يكون اعتقاده كفرا، وبكل ما لم يكن مثله في القرآن، والمعنى بعيد متغير تغيرا فاحشا، كهذا الغبار مكان (هذا الغراب)، وبكل ما لم يكن له مثل في القرآن، ولا معنى له، كالسرائل مكان (السرائر)، وتبطل أيضا عند أبي حنيفة ومحمد بما له مثل في القرآن، والمعنى بعيد، ولم يكن متغيرا تغيرا فاحشا. ولا تبطل عند أبي يوسف؛ لعموم البلوى. فإن

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض حنفیہ نے متقدمین کے قول کو ”احوط“ اور مذکورہ متاخرین کے قول کو ”اوسع“ قرار دیا ہے، کیونکہ بہت سے لوگ اعراب میں فرق نہیں کرتے، اور اس میں عمومِ بلوی پایا جاتا ہے، اور بعض حنفیہ نے متاخرین کے مذکورہ قول کو راجح قرار دیا ہے، اور اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ ا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لم یکن له مثل فی القرآن، ولم یتغیر بہ المعنی، کقیامین مکان (قوامین) فعکس الخلاف السابق: لا تبطل عند الطرفين، وتبطل عند أبي يوسف.
وقال المتأخرون: إن الخطأ فی الإعراب لا یفسد الصلاة مطلقاً، ولو كان اعتقاده كقرا؛ لأن أكثر الناس لا یميزون بین وجوه الإعراب.
وإن كان الخطأ یبادل حرف مکان حرف: فإن أمکن الفصل بینهما بلا كلفة، كالصناد مع الطاء، بأن قرأ الطالحات مکان (الصالحات) ففسد الصلاة اتفاقاً. وإن لم یکن الفصل إلا بمشقة، فالأكثر علی عدم الفساد، لعموم البلوی، كالصناد مع السین، كالصراط بدل (الصراط).
ولا تفسد الصلاة بتخفيف مشدد ولا عكسه (تشديد مخفف)، كما لو قرأ (أفیینا) بالتشديد، و (اهدنا الصراط) بإظهار اللام، كما لا تفسد بزيادة حرف فأكثر نحو (الصراط الذین)، أو بوصل حرف بكلمة نحو (إیاكعبد)، أو بوقف وابتداء، وإن غیر المعنی.
لكن تفسد الصلاة بعدم تشديد (رب العالمین) و (إیاك نعبد)
ولا تفسد لو زاد كلمة، أو نقص كلمة، أو نقص حرفاً أو قدمه أو بدله بآخر، نحو (من ثمره إذا أثمر واستحصد) و (تعال جدرینا) و (انفرجت) بدل انفجرت و (إیاب) بدل (أواب) إلا إذا تغير المعنی.

ولا تفسد لو كرر كلمة وإن تغير المعنی، مثل (رب رب العالمین) وتفسد لو بدل كلمة بكلمة، وغیر المعنی، مثل: (إن الفجار لفی جنات) و (لعنة الله علی الموحدين) وكتفیر النسب نحو (عیسی بن لقمان) بخلاف موسى ابن لقمان، ونحو (مریم بنت غیلان) فإن لم یتغیر المعنی، مثل الرحمن بدل الکریم لم تفسد اتفاقاً.
وقال الحنابلة: إن أحال اللحن المعنی فی غیر الفاتحة لم یمنع صحة الصلاة ولا الائتمام به إلا أن یتعمده، فتبطل صلاتهما. أما إن أحال المعنی فی الفاتحة فتبطل الصلاة مطلقاً (الفقه الإسلامي وأدلتة للزحلی، ج ۲، ص ۱۰۳۶ إلى ۱۰۳۸، القسم الاول، الباب الثاني، الفصل السابع)
ا (ومنها اللحن فی الإعراب) إذا لحن فی الإعراب لحننا لا یغیر المعنی بأن قرأ لا ترفعوا أصواتکم برفع التاء لا تفسد صلاته بالإجماع وإن غیر المعنی تغیراً فاحشاً بأن قرأ وعصى آدم ربه بصب المیم ورفع الرب وما أشبه ذلك مما لو تعمد به یكفر. إذا قرأ خطأ فسدت صلاته فی قول المتقدمین.

﴿بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر تراویح میں حافظِ قرآن سے ایسے مشابہات لگ جائیں، جن میں معنی کے اندر فاحش تغیر پیدا ہو جاتا ہے، تو مذکورہ تفصیل کا تقاضا یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔
کئی اردو فتاویٰ میں بھی اسی کے مطابق حکم بیان کیا گیا ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

واختلف المتأخرون: قال محمد بن مقاتل وأبو نصر محمد بن سلام وأبو بكر بن سعيد البلخي والفقیه أبو جعفر الہندوانی وأبو بكر محمد بن الفضل والشیخ الإمام الزاهد وشمس الأئمة الحلوانی لا تفسد صلاته .

وما قاله المتقدمون أحوط؛ لأنه لو تعمد يكون كفرا وما يكون كفرا لا يكون من القرآن وما قاله المتأخرون أوسع؛ لأن الناس لا يميزون بين إعراب وإعراب. كذا في فتاوى قاضى خان وهو الأشبه. كذا في المحيط وبه يفتى. كذا في العتبية وهكذا في الظهيرية (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۸۱، كتاب الصلاة، الباب الرابع، الفصل الخامس في زلة القارئ)

لو قرأ القرآن في الصلاة بالألحان إن غير الكلمة تفسد وإن كان ذلك في حروف المد واللين لا تفسد إلا إذا فحش وإن قرأ في غير الصلاة اختلف المشايخ وعامتهم كرهوا ذلك. كذا في الخلاصة وهو الصحيح. كذا في الوجيز للكردرى وكرهوا الاستماع أيضا. كذا في الخلاصة ونقل عن أبى القاسم الصفار البخارى أن الصلاة إذا جازت من وجوه فسدت من وجه يحكم بالفساد احتياطاً إلا في باب القراءة؛ لأن للناس عموم البلوى. كذا في الظهيرية (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۸۲، كتاب الصلاة، الباب الرابع، الفصل الخامس في زلة القارئ)

ومما يتعلق به المسألة الكثيرة الشعب مسألة زلة القارئ ولم يذكرها المصنف مع أنها مهمة جدا فلنوردها.

وخطأ القارئ إما في الإعراب أو في الحروف أو في الكلمات أو الآيات، وفي الحروف إما بوضع حرف مكان آخر أو تقديمه أو تأخيره أو زيادته أو نقصه، أما الإعراب فإن لم يغير المعنى لا تفسد لأن تغييره خطأ لا يستطاع الاحتراز عنه فيعذر، وإن غير فاحشا مما اعتقاده كفر مثل الباء المصور بفتح الواو (إنما يخشى الله من عباده العلماء) برفع الجلالة ونصب العلماء فسدت في قول المتقدمين.

واختلف المتأخرون فقال ابن مقاتل ومحمد بن سلام وأبو بكر بن سعيد البلخي والهندوانى وابن الفضل والحلوانى لا تفسد، وما قال المتقدمون أحوط لأنه لو تعمد يكون كفرا، وما يكون كفرا لا يكون من القرآن فيكون متكلما بكلام الناس الكفار غلطا وهو مفسد كما لو تكلم بكلام الناس ساهيا مما ليس بكفر فكيف وهو كفر، وقول المتأخرين أوسع لأن الناس لا يميزون بين وجوه الإعراب، وهو على قول أبى يوسف ظاهر لأنه لا يعتبر الإعراب عرف ذلك في مسائل، ويتصل بهذا تخفيف المشدد، عامة المشايخ على أن ترك المد والتشديد كالخطأ في الإعراب، فلذا قال كثير بالفساد في تخفيف (رب العالمين) و (إياك نعبد) لأن معنى إيا مخففا الشمس، والأصح لا

﴿ بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

اور سوال میں مذکور صورت حال کا بھی یہی تقاضا ہے کہ معنی میں تغیر فاحش پیدا ہوجانے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگی، اور فقہائے کرام نے اس حکم میں فرض اور نفل یا تراویح کی نماز میں فرق کا لحاظ نہیں کیا۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

تفسد وهو لغة قليلة في إيا المشددة نقله بعض متأخري النحاة، وعلى قول المتأخرين لا يحتاج إلى هذا، وبناء على هذا أفسدوها بمد همزة أكبر على ما تقدم.

وأما الحروف فإذا وضع حرفا مكان غيره فإما خطأ وإما عجزا، فالأول إن لم يغير المعنى ومثله في القرآن نحو: إن المسلمون، لا تفسد، وإن لم يغير وليس مثله في القرآن نحو: قيامين بالقسط واليتايين، والحي القيام عندهما لا تفسد، وعند أبي يوسف تفسد، وإن غير فسدت عندهما وعند أبي يوسف إن لم تكن مثله في القرآن، فلو قرأ أصحاب الشعير بشين معجمة فسدت اتفاقا، فالعبرة في عدم الفساد عدم تغير المعنى.

وعند أبي يوسف وجود المثل في القرآن فلا يعتبر على هذا ما ذكر أبو منصور العراقي من عسر الفصل بين الحرفين وعدمه في عدم الفساد وثبوته ولا قرب المخارج وعدمه كما قال ابن مقاتل.

وحاصل هذا إن كان الفصل بلا مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالعات مكان الصالحات تفسد، وإن كان بمشقة كالطاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء قيل تفسد، وأكثرهم لا تفسد، هذا على رأى هؤلاء المشايخ ثم لم تنضب فروعهم فأورد في الخلاصة ما ظاهره التناهي للمتأمل، فالأولى قول المتقدمين، والثاني وهو الإقامة عجزا كالحمد لله الرحمن الرحيم بالهاء فيها، أعود بالمهملة، الصمد بالسين إن كان يجهد الليل والنهار في تصحيحه ولا يقدر فصلاته جائزة، ولو ترك جهده ففاسدة ولا يسعه أن يترك في باقى عمره، وأما الألفغ الذى يقرأ بسم الله بالمثلثة أو مكان اللام الياء ونحوه لا يطاوعه لسانه لغيره فليل إن بدل الكلام فسدت، أو قرأ خارج الصلاة لا يؤجر، فإن أمكنه أن يتخذ آيات ليس فيها تلك الحروف بفعل وإلا يسكت.

وعلى قياس الأول إن بدل جهده لا تفسد، وبه أخذ كذا في الخلاصة، وإن لم يبذل إن أمكنه آيات ليس فيها تلك الحروف يتخذها إلا الفاتحة، ولا ينبغى لغيره الاقتداء به، وكذا الففاء الذى لا يقدر على إخراج الكلمة إلا بتكرير الفاء، والتمتاع الذى لا يقدر على إخراجها إلا بعد أن يديرها فى صدره كثيرا، وكذا من لا يقدر على إخراج حرف من الحروف، ثم الألفغ إذا وجد آيات ليس فيها تلك الحروف فقرأ ما هى فيه فيها فالأكثر على أنه لا تجوز صلاته، فإن لم يجد جازت، وهل يجوز بلا قراءه؟ اختلف المشايخ فيه، وينبغى أن يكون الخلاف فيما إذا قرأ بما فيها مع وجود ما ليس فيها فيما إذا لم يبذل، أما إذا بدل فينبغى عدمه فى الفساد لأنه تبديل للمعنى من غير ضرورة، وكذا فى الجواز بغير قراءه ينبغى أن يكون محله عدم الوجود مع العجز أما معه فينبغى عدمه فى الفساد لأنه تبديل للمعنى من غير ضرورة.

﴿ بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

لیکن اس پر بندہ کوشبہ ہے کہ جب بعض متاخرین حنفیہ کے نزدیک اعراب کی وہ غلطی، جس میں معنی کے اندر فاحش تغیر پیدا ہو گیا ہو، اس سے بھی نماز کے فاسد نہ ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، تو تشابہات کی ایسی غلطیاں، جن سے معنی میں فاحش تغیر پیدا ہو جاتا ہے، ان کے صادر ہونے کے امکانات، اعراب کی غلطی سے زیادہ ہوتے ہیں، اور ایسے تشابہات عرب و عجم کے پختہ حفاظ کرام کو تراویح میں لگتے رہنا، سب کو معلوم ہے، تو تشابہات میں بدرجہ اولیٰ، عدم فساد کی گنجائش ہونی چاہیے، کیونکہ اس میں، وہ علت زیادہ قوی طریقے پر پائی جاتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما التقديم والتأخير فإن غير نحو قوسرة في قسورة فسدت، وإن لم يغير لا تفسد عند محمد خلافا لأبي يوسف.

وأما الزيادة ومنه فك المدغم وإن لم يغير نحو: وانها عن المنكر بالالف، وراودوه إليك، لا تفسد عند عامة المشايخ، وعن أبي يوسف روايتان، وإن غير نحو زرابيب مكان زرابي، والقرآن الحكيم وإنك لمن المرسلين، وإن سعيكم لثني بالواو تفسد، وكذا النقصان إن لم يغير لا تفسد نحو جاء هم مكان جاء تهم وإن غير فسد نحو، والنهار إذا تجلى ما خلق الذكر والأنثى بلا واو، وأما لو كان حذف الحرف من كلمة ففي فتاوى قاضي خان إن كان حذف حرفا أصليا من كلمة وتغير المعنى تفسد في قول أبي حنيفة ومحمد نحو رزقناهم بلا راء أو زاي أو خلقنا بغير خاء أو جعلنا بلا جيم، ثم ذكر من المثل نحو ما خلق الذكر والأنثى وقال: قالوا على قياس قول أبي يوسف لا تفسد لأن المقروء في القرآن قال، ولو كانت الكلمة ثلاثية فحذف حرفا من أولها أو أوسطها نحو ريبا أو عريا في عربيا تفسد، إما لتغير المعنى أو لأنه يصير لغوا، وكذا حذف باء ضرب الله فإن كان ترخيما لا تفسد وشرطه النداء والعلمية وأن يكون رباعيا أو خماسيا نحو وقالوا يا مال في مالک.

وأما الكلمة مكان الكلمة فإن تقاربا معنى ومثله في القرآن كالحكيم مكان العليم لم تفسد اتفاقا، وإن لم يوجد المثل كالفاجر مكان الأثيم وأباه مكان أواه فكذلك عندهما، وعن أبي يوسف روايتان، فلو لم يتقاربا ولا مثل له فسد اتفاقا إذا لم يكن ذكرا وإن كان في القرآن وهو مما اعتقده كفر كعافلين في (إنا كنا فاعلين) فعامة المشايخ على أنه تفسد اتفاقا.

وقال بعضهم: على قياس أبي يوسف لا تفسد، وبه كان يفتي ابن مقاتل، والصحيح من مذهب أبي يوسف أنها تفسد.

ولو قرأ "الغبار" مكان "الغراب"، "فاخشوهم ولا تخشون"، ألسنت بربكم قالوا نعم؛ تفسد،

﴿بقية حاشيا گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امت کا تعامل بھی اسی پر ہے کہ عام طور پر اس طرح کے مشابہات کی وجہ سے نماز کا اعادہ نہیں کیا جاتا۔

اور حنفیہ کے نزدیک ایسی تراویح کی نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے، جس میں ایسے مشابہ کی غلطی لگ جائے، جس سے معنی میں فاحش تغیر پیدا ہو جائے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر تراویح کو واجب الاعادہ قرار دیا جائے گا، تو بہت سے لوگوں کی یومیہ کے حساب سے تراویح کی کئی کئی رکعات کو واجب الاعادہ قرار دینا پڑے گا، جس میں حرج عظیم ظاہر ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ما تخلقون مکان تمنون الأظھر الفساد، وذق إنک أنت العزیز الحکیم مکان الکریم المختار الفساد، وقیل لا لأن المعنی فی زعمک.

ولو قرأ أحل لکم صید البر مع أنه قرأ ما بعدها وحرم علیکم صید البر لا تفسد عند طلوع الشمس، وعند الغروب مکان قبل طلوع الشمس وقيل الغروب تفسد، وکل صغیر وکبیر فی سقر، والنازعات نزعا، إنا مرسلو الجمال والکلب والبغال لا تفسد، وشركاء مکان "شفعاء" تفسد.

وفی مجموع النوازل ومن وضع کلمة مکان أخرى کان ینسب بالبنوة إلی غیر من نسب إلیه، فإن کان فی القرآن نحو موسی بن لقمان لا تفسد عند محمد وروایة أبی یوسف وعلیہ العامة، وإن لم یکن کمریم ابنة غیلان تفسد اتفاقا، وكذا لو لم تجز نسبتہ فنسبہ تفسد کعیسی بن لقمان لأن نسبتہ کفر إذا تعمد.

وفی فتاوی قاضی خان: إذا أراد أن یقرأ کلمة فجری علی لسانه شطر کلمة فرجع وقرأ الأولى أو رکع ولم یتمها إن کان شطر کلمة لو أتمها لا تفسد صلاته لا تفسد وإن کان لو أتمها تفسد تفسد، وللشطر حکم الکل وهو الصحیح انتهى.

وأما التقدید والتأخیر، فإن لم یغیر لم یفسد نحو فأنبتنا فیها عنباً وحباً، وإن غیر فسد نحو الیسر مکان العسر وعکسه، ویمكن إدراجه فی الکلمة مکان الکلمة.

وفی الخلاصة: لو قرأ لثفرن عما کنتم تسألون، لا تفسد، وإذ الإعتاق فی أغلالهم لا تفسد. وأما الزیادة فإن لم تغیر وهی فی القرآن نحو: وبالوالدین إحساناً وبراً إن الله کان غفوراً رحیماً علیماً لا تفسد فی قولهم، وإن غیرت وهی موجودة نحو وعمل صالحاً أو کفر فلهم أجرهم، أو غیر موجودة نحو وأما نمود فهدیناهم وعصیناهم فاستحبوا؛ فسدت لأنه لو تعمدہ کفر، فإذا أخطأ فیہ أفسد، فإن لم تغیر ولیست فی القرآن نحو فیها فاکهة ونخل وتفاح ورمان لا تفسد وعند أبی یوسف تفسد.

ولو وضع الظاهر موضع المضمهر عن بعض المشایخ تفسد.

واستشکل بأنه زیادة لا تغیر.

﴿ بقیہ حاشیہ گلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

لہذا ہمارے نزدیک ”تراویح“ میں عمومِ بلوئی اور دفعِ حرج کا تقاضا یہ ہے کہ اس قسم کے متشابہات سے بھی نماز فاسد نہ ہو، جن سے معنی میں فاحش تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔

البتہ غلطی کی اصلاح کر لینے اور علم ہو جانے کے بعد اس غلط پڑھے ہوئے حصے کو درست کر کے، اگلے، یا کسی دن تراویح میں دہرا لینے کی اپنی جگہ ضرورت ہے، تاکہ پورا قرآن مجید، تراویح میں پڑھنے اور سننے کی سنت اداء ہو جائے، اور اس میں کوئی خلل باقی اور موجود نہ رہے۔

اور اگر کوئی ہمارے مذکورہ موقف سے اتفاق نہ کرے ”جیسا کہ آج کل بہت سے جامد مفتیوں کا طرزِ عمل بتلاتا ہے“ تو پھر حنفیہ کے نزدیک تراویح کی وہ نماز فاسد ہو جائے گی، جس میں اس طرح کی غلطی واقع ہوئی ہو۔

اور اگر کئی الگ الگ رکعتوں میں اس طرح کی غلطیاں واقع ہوئیں، تو وہ تمام رکعتیں فاسد ہو جائیں گی۔

اور حنفیہ کے نزدیک چونکہ ”تطوع“ اور ”نفل“ نماز شروع کرنے کے بعد، اس کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے، اور اگر فاسد ہو جائے، تو اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہو جاتا ہے، خواہ اس کو کتنا عرصہ گزر جائے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وفي الخلاصة: رأيت في بعض المواضع لا تفسد.

ومن الزيادة القراءة بالألحان لأن حاصلها إشباع الحركات لمراعاة النغم على ما قدمناه من تفسير الإمام أحمد لها في باب الأذان أو زيادة الهمزات كما فإذا فحش أفسد الصلاة كذا في الخلاصة، وإن كان غيره فتعرف في زيادة الحرف، ولو بنى بعض آية على أخرى إن لم يغير نحو (إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات) (فله جزاء الحسنی) مكان (كانت لهم جنات الفردوس نزلاً) لا تفسد، وإن غير فإن وقف وقفا تاما بينهما فكذلك لو كان قرأ (إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات) ووقف ثم قال (أولئك هم شر البرية)

وإن وصل تفسد عند عامة المشايخ وهو الصحيح، وحينئذ هذا مقيد لما ذكر في بعض المواضع من أنه إذا شهد بالجنة لمن شهد الله له بالنار أو بالقلب تفسد، والله سبحانه وتعالى أعلم (فتح القدیر، لابن الهمام، ج ۱، ص ۳۲۲ الى ۳۲۵، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة)

لہذا حنفیہ کے نزدیک ایسی تمام رکعتوں کا اعادہ کرنا واجب ہوگا۔
لیکن حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک ”تطوع“ اور ”تراویح“ کی نماز شروع کرنے کے بعد اگر فاسد ہو جائے، تو وہ واجب الاعادہ نہیں ہوتی۔
نیز بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک تراویح کی بیس رکعات صرف سنت ہیں، اس سے کم پڑھنا گناہ نہیں، اور قرآن مجید کا مکمل کرنا بھی، ان کے نزدیک اسی طرح کی سنت ہے، لہذا ان کے نزدیک اس کی خلاف ورزی پر بھی گناہ لازم نہیں آتا، جس کی تفصیل ہم نے اپنے دوسرے مضامین میں ذکر کر دی ہے۔ ۱

تراویح کی نماز میں قرأت کی اس طرح تشابہات کی غلطی نادانستہ طور پر پیش آتی ہے، اور تراویح کے اندر، اس سلسلے میں عموم بلوئی پایا جاتا ہے، اور اعادہ کے حکم میں حرج و تنگی کا ہونا، بالکل ظاہر ہے، عوام کو بیس رکعات تراویح کا پڑھنا گراں گزرتا ہے، مزید براں کیونکر گراں نہ گزرے گا، بالخصوص جبکہ معنی میں فاحش تغیر پیدا ہونے نہ ہونے کا تراویح پڑھانے والے

۱ تعین النیة فی صلاة التراويح:

ذهب الشافعية وبعض الحنفية، وهو المذهب عند الحنابلة إلى اشتراط تعيين النية في التراويح، فلا تصح التراويح بنية مطلقة، بل ينوي صلاة ركعتين من قيام رمضان أو من التراويح لحديث: إنما الأعمال بالنيات وليتميز إحرامه بهما عن غيره.

وعلى الحنفية القائلون بذلك قولهم بأن التراويح سنة، والسنة عندهم لا تتأدى بنية مطلق الصلاة أو نية التطوع، واستدلوا بما روى الحسن عن أبي حنيفة أنه: لا تتأدى ركعتا الفجر إلا بنية السنة. لكنهم اختلفوا في تجديد النية لكل ركعتين من التراويح، قال ابن عابدين في الخلاصة: الصحيح نعم؛ لأنه صلاة على حدة، وفي الخانية: الأصح لا، فإن الكل بمنزلة صلاة واحدة، ثم قال ويظهر لي (ترجيح) التصحيح الأول؛ لأنه بالسلام خرج من الصلاة حقيقة، فلا بد من دخوله فيها بالنية، ولا شك أنه الأحوط خروجاً من الخلاف.

وقال عامة مشايخ الحنفية: إن التراويح وسائر السنن تتأدى بنية مطلقة؛ لأنها وإن كانت سنة لا تخرج عن كونها نافلة، والنوافل تتأدى بمطلق النية، إلا أن الاحتياط أن ينوي التراويح أو سنة الوقت أو قيام رمضان احترازاً عن موضع الخلاف.

وذهب الحنابلة إلى أنه يندب في كل ركعتين من التراويح أن ينوي فيقول سرا: أصلى ركعتين من التراويح المسنونة أو من قيام رمضان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۲۰، مادة ”صلاة التراويح“)

حافظ قرآن اور اس کے مقتدیوں کو علم ہونا، بلکہ اس طرح کی غلطیوں کا علم ہونا ہی مشکل ہے، بلکہ بعض مفتیان کرام کے لئے بھی یہ مسئلہ قابل غور ہے، تو پھر بروقت اس نماز کے اعادہ کا کیسے حکم لگایا جائے گا۔

اس لیے اگر کسی کو تراویح کے سلسلے میں، معنی میں تغیرِ فاحش پیدا ہونے والے متشابہات کے نماز کو فاسد نہ قرار دینے کے ہمارے رجحان سے اتفاق نہ ہو، تو ایسی صورت میں ہمارے نزدیک کم از کم دوسرے فقہائے کرام کے قول پر عمل کرتے ہوئے، ایسی نمازوں کے واجب الاعادہ نہ ہونے کی گنجائش ہے۔ ۱

ظاہر ہے کہ موجودہ دور کے وہ مفتیان کرام، جو اس طرح کی ضرورت و حرج میں مذہبِ حنفیہ سے خروج کو جائز نہیں سمجھتے، اور عام حالات میں تو ان کے نزدیک یہ بہت بڑا ناقابلِ معافی جرم ہے، ان کو ہمارے مذکورہ موقف سے اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن چونکہ ہم ان کے مذہبِ حنفیہ سے خروج کے مذکورہ سخت موقف ہی سے اتفاق نہیں رکھتے، جس کے دلائل ہم نے اپنے

۱ لا خلاف بین الفقہاء فی أن من أفسد عبادة مفروضة وجب عليه أداءها إن كان وقتها يسعها كالصلاة، أو القضاء إن خرج الوقت أو كان لا يسعها كالصلاة إن خرج الوقت، وكالصيام والحج لعدم اتساع الوقت. أما التطوع بالعبادة فإنها تلزم بالشروع فيه عند الحنفية والمالكية، وتجب إتمامها، وعند الشافعية والحنابلة: لا تجب بالشروع، ويستحب الإتمام فيما عدا الحج والعمرة فيلزمان بالشروع، ويجب إتمامهما، وعلى ذلك فمن دخل في عبادة تطوع وأفسدها وجب عليه قضاؤها عند الحنفية والمالكية لقوله تعالى: (ولا تبطلوا أعمالكم) ولا يجب القضاء عند الشافعية والحنابلة في غير الحج والعمرة لما روت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: هل عندک شیء؟ فقلت: لا، فقال: إني إذا أصوم، ثم دخل علی یوما آخر فقال: هل عندک شیء؟ فقلت: نعم، فقال: إذا أفطر، وإن كنت قد فرضت الصوم.

أما الحج والعمرة فيجب قضاؤها إذا أفسدهما؛ لأن الوصول إليهما لا يحصل في الغالب إلا بعد كلفة عظيمة، ولهذا يجبان بالشروع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۱۳، تدارك من أفسد عبادة شرع فيها من صلاة أو صوم أو حج، مادة "تدارك") يلزم النفل بالشروع فيه - عند الحنفية والمالكية - لقوله تعالى: (ولا تبطلوا أعمالكم) ولأن ما أداه صار لله تعالى فوجب صيانته بلزوم الباقي.

وعند الشافعية والحنابلة لا يلزم؛ لأنه مخير فيما لم يفعل بعد، فله إبطال ما أداه تبعاً (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۵۷، ماده: صلاة التطوع، الشروع في صلاة التطوع)

موقع پر ذکر کر دیئے ہیں، اس لیے ان جامد مفتیان کرام کے اختلاف سے ہمارے مذکورہ موقف پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، جن کو صرف کاغذی فتوے دینے کا زیادہ شوق ہے، عوامی دنیا میں اس فتوے کے اثرات و نتائج سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔

اور ہمارے نزدیک یہ حکم تطوع اور خاص طور پر تراویح کی نماز میں قرآن مجید کی قرائت کا ہے، جس میں پورا قرآن مجید پڑھے جانے کی وجہ سے تشابہات لگنے کا عمومِ بلوئی ہے، اور اکثر حفاظ قرآن کے لیے تشابہات وغیرہ سے بچنا عادتاً مشکل ہے۔

فرض نماز اس حکم سے خارج ہے، کیونکہ ایک تو فرض نماز میں قرائت مخصوص ہوتی ہے، دوسرے فرض نماز میں کسی خاص سورت یا آیات کی قرائت ضروری نہیں کہ سب کو اس مخصوص سورت یا آیات کا مکلف کیا گیا ہو، خواہ کسی کو وہ یاد ہو، یا نہ ہو، تیسرے اس کے اعادہ میں بھی حرج نہیں، الا یہ کہ کہیں مجمع بہت بڑا ہو، اور اعادہ مشکل ہو، یا اس نماز میں اقتداء کرنے والے منتشر ہو گئے ہوں، اور ان کو مطلع کرنے میں دشواری ہو، تو الگ بات ہے۔

اسی کے ساتھ یہ ملحوظ رہنا بھی ضروری ہے کہ تراویح میں قرآن سنانے اور دوسری نماز میں امامت کے لیے صحیح خوان اور مکنت حد تک پختہ حافظ قرآن کا انتخاب کرنا چاہیے، اور امام کو بھی اپنی قرائت کو صحیح کرنے اور غلطی سے بچنے کی کوشش و اہتمام کرنا چاہیے۔

امامت کے لیے جن اوصاف کو ترجیح دی گئی ہے، اور احادیث میں ان کا ذکر آیا ہے، ان میں قرآن مجید کا زیادہ قاری و حافظ ہونا بھی ہے، اگرچہ اس صفت کے دوسری صفات پر مقدم، یا مؤخر ہونے کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ ل

۱۔ أما إذا تفرقت خصال الفضيلة من العلم والقراءة والورع وكبر السن وغيرها في أشخاص فقد اختلفت أقوال الفقهاء. فمنهم من قدم الأعلم على الأقرأ، وقالوا: إنما أمر النبي صلى الله عليه وسلم بتقديم القارئ، لأن أصحابه كان أقرؤهم أعلمهم، فإنهم كانوا إذا تعلموا القرآن تعلموا معه أحكامه، وهذا قول جمهور الفقهاء. والأصل في أولوية الإمامة حديث أبي مسعود الأنصاري أن النبي عليه السلام قال: يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله، فإن كانوا في القراءة سواء فأعلمهم بالسنة، فإن كانوا في السنة سواء فأقدمهم هجرة، فإن كانوا في الهجرة سواء فأقدمهم سنًا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۶، ص ۲۰۸، مادة: إمامة الصلاة)

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً فَلْيُؤْمَرْهُمْ أَحَدُهُمْ، وَأَحَقُّهُمْ بِالْإِمَامَةِ أَقْرَبُهُمْ (مسلم، رقم الحديث ۶۷۲ "۲۸۹")
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تین افراد ہوں، تو ان میں سے ایک امامت کرے، اور ان میں امامت کا زیادہ مستحق ان میں زیادہ قرائت کرنے والا ہے (مسلم)

اور حضرت عمر و بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَتْ تَأْتِينَا الرُّكْبَانُ مِنْ قِبَلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَسْتَفِرُّهُمْ، فَيُحَدِّثُونَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " لِيَوْمِكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا " (مسند احمد، رقم الحديث ۲۰۳۳۲) ل
ترجمہ: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوار آتے تھے، پھر ہم ان سے قرائت سیکھتے تھے، اور وہ ہمیں یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری امامت وہ شخص کرے، تو تم میں زیادہ قرآن والا ہو (مسند احمد)

حضرت ابوسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَوْمُ الْقَوْمِ أَقْرَبُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ، فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً، فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً، فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةَ، فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً، فَأَقْدَمُهُمْ سِلْمًا (مسلم، رقم الحديث ۶۷۳ "۲۹۰")

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کرے، جو

۱۔ قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف لضعف علي بن عاصم الواسطي (حاشية مسند احمد)

ان میں کتاب اللہ کا زیادہ قاری ہو، پھر اگر وہ قرائت میں برابر ہوں، تو ان میں سنت کا زیادہ علم رکھنے والا امامت کرے، پھر اگر وہ سنت میں برابر ہوں، تو ان میں پہلے ہجرت کرنے والا امامت کرے، پھر اگر وہ ہجرت میں برابر ہوں، تو ان میں پہلے اسلام لانے والا امامت کرے (مسلم)

حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عام نمازوں میں امامت کے لیے فقہ کا زیادہ علم رکھنے والے کو، زیادہ قرائت والے امام پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔
لیکن حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کے نزدیک زیادہ قرائت والے امام کو فقہ کا زیادہ علم رکھنے والے امام پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ ۱

۱۔ وجمہور الفقہاء: (الحنفية والمالكية والشافعية) على أن الأعلّم بأحكام الفقه أولى بالإمامة من الأقرأ، لحديث: مروا أبا بكر فليصل بالناس وكان ثمة من هو أقرأ منه، لا أعلم منه، لقوله صلى الله عليه وسلم: أقرؤكم أبي، ولقول أبي سعيد: كان أبو بكر أعلمنا، وهذا آخر الأمرين من رسول الله صلى الله عليه وسلم فيكون المعول عليه. ولأن الحاجة إلى الفقه أهم منها إلى القراءة، لأن القراءة إنما يحتاج إليها لإقامة ركن واحد، والفقه يحتاج إليه لجميع الأركان والواجبات والسنن. وقال الحنابلة، وهو قول أبي يوسف من الحنفية: إن أقرأ الناس أولى بالإمامة ممن هو أعلمهم، لحديث أبي سعيد قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا كانوا ثلاثة فليؤمهم أحدهم، وأحقهم بالإمامة أقرؤهم ولأن القراءة ركن لا بد منه، والحاجة إلى العلم إذا عرض عارض مفسد ليمكنه إصلاح صلاته، وقد يعرض وقد لا يعرض (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۶ ص ۲۰۷، ۲۰۸، مادة "إمامة الصلاة")

اختلف الفقهاء فيمن يقدم لإمامة الصلاة: الأحفظ أم الأفقه؟

فذهب جمهور الفقهاء وهم الحنفية والمالكية والشافعية في الأصح عندهم إلى أن الأفقه: أي الأعلّم بالأحكام الشرعية أولى بالإمامة في الصلاة من الأقرأ وإن كان حافظاً لجميع القرآن، وذلك إذا كان الأفقه يحفظ ما تجوز به الصلاة من القرآن، لأن الحاجة إلى الفقه أهم لكون الواجب من القرآن في الصلاة محصوراً والحوادث فيها لا تنحصر فيفتقر إلى العلم ليمكن به من تدارك ما عسى أن يعرض فيها من العوارض المختلفة.

ولأن "النبي صلى الله عليه وسلم قدم أبا بكر رضى الله عنه في إمامة الصلاة على غيره من الصحابة رضى الله عنهم"، ومنهم من كان أحفظ منه للقرآن الكريم لكونه أفقههم جميعاً. وذهب الحنابلة والشافعية في مقابل الأصح عندهم إلى أن الأقرأ والأحفظ أولى بالإمامة في الصلاة من الأفقه لقوله صلى الله عليه وسلم: يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله، فإن كانوا في القراءة سواء

﴿بقية حاشيا گلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور تراویح کی نماز میں ایک مرتبہ پورا قرآن مجید پڑھنا یا سننا مشروع ہے، اس لیے اس میں فقہ کے علم کے ساتھ ساتھ قاری و حافظ امام کی صفت کا مقدم ہونا زیادہ راجح ہے، لہذا تراویح کی نماز میں امامت کے لیے یہ صفت دوسری نمازوں کے مقابلہ میں بدرجہ اولیٰ مطلوب ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ .

محمد رضوان خان

15 / رمضان المبارک / 1441ھ 09 / مئی / 2020 بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فأعلمهم بالسنة، فإن كانوا في السنة سواء فأقدمهم هجرة، فإن كانوا في الهجرة سواء فأقدمهم سلما .

وقوله صلى الله عليه وسلم: إذا كانوا ثلاثة فليؤمهم أحدهم وأحقهم بالإمامة أقرؤهم .
وقوله صلى الله عليه وسلم: ليؤمكم أكثركم قرآنا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١ ص ٣٢٣،
٣٢٢، مادة "حفظ")

(وأولى الناس بالإمامة أعلمهم بالسنة) إذا كان يحسن من القراءة ما تجوز به الصلاة، ويجتنب الفواحش الظاهرة . وعن أبى يوسف أقرؤهم لقوله - عليه الصلاة والسلام - : يوم القوم أقرؤهم لكتاب الله ، قلنا: الحاجة إلى العلم أكثر فكان أولى وفي زمن النبي - صلى الله عليه وسلم - كانوا يتلقون القرآن بأحكامه فكان أقرؤهم أعلمهم . (ثم أقرؤهم) للحديث (الاختيار لتعليق المختار، ج ١ ص ٥٤، كتاب الصلاة، باب صلاة الجماعة)

فاسد شدہ تراویح کو باجماعت ادا کرنا

اگر تراویح کی کچھ رکعتیں شروع کر کے فاسد کر دی جائیں، تو حنفیہ کے نزدیک ان کا اعادہ واجب ہے، خواہ وقت ختم ہو گیا ہو، یا وقت موجود ہو، وقت موجود ہونے کی صورت میں یعنی جب تک اس رات کا اختتام نہ ہوا ہو، جو کہ طلوع فجر ہونے پر ختم ہوتا ہے، اس وقت تو ان کی جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت ہے، لیکن جماعت کے بغیر پڑھنے کی صورت میں بھی وجوب اداء ہو جاتا ہے، جس میں کسی قسم کی کراہیت کا نہ ہونا راجح ہے۔

اور وقت ختم ہونے کے بعد ان کو تراویح کی قضاء کی نیت سے پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ تراویح کی وقت گزرنے کے بعد قضاء مشروع نہیں، اور ان کو باجماعت اداء کرنا بھی حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، کیونکہ وقت ختم ہونے کے بعد ان کی حیثیت فی نفسہ تطوع محض کی ہے، جس کو عند الحنفیہ باجماعت اداء کرنا مکروہ ہے، اگر وہ ایک خاص وجہ سے ذمہ میں واجب ہوگئی ہوں، تاہم باجماعت پڑھنے کی صورت میں بھی عند الحنفیہ کراہت کے ساتھ ان کا ذمہ سے وجوب ساقط ہو جائے گا۔

”الفتاویٰ الہندیہ“ میں ہے کہ:

وإذا تذكروا أنه فسد عليهم شفع من الليلة الماضية فأرادوا القضاء بنية التراويح يكره ولو تذكروا تسليمة بعد أن صلوا الوتر قال محمد بن الفضل: لا يصلونها بجماعة وقال الصدر الشهيد يجوز أن يصلوها بجماعة، كذا في السراج الوهاج (الفتاوى الهندية، ج ١، ص ١٤٧)

اور ”فتاویٰ قاضیخان“ میں ہے کہ:

وإن تذكر في الليل أنه فسد عليهم شفع من الليلة الماضية فأراد القضاء بنية التراويح يكره لأنه زيادة على التراويح بنية التراويح بخلاف التطوع

بین التراويح فإنه لا يكره لأنه لا يصلح بنية التراويح (فساوی قاضی

خان، ج ۱، ص ۱۶۹، کتاب الصلاة، فصل فی وقت التراويح)

مذکورہ عبارات میں گزشتہ رات کے فاسد شدہ ”شفعہ“ کی قضاء کے بہت تراویح پڑھنے کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

جس کی وجہ یہ ہے کہ وقت گزرنے کے بعد تراویح کی قضاء نہیں ہوتی۔

جو تراویح وقت پر سرے سے نہ پڑھی جاسکے، وقت گزرنے کے بعد، اس کی قضاء کا حکم نہیں، جیسا کہ فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جانے والی سنت مؤکدہ کو وقت گزرنے کے بعد قضاء کا حکم نہیں۔

اور اس میں تراویح کی نماز شروع کر کے اس کے فاسد ہونے پر، اس کے اعادہ کے حکم سے تعرض نہیں۔

تطوع کو شروع کر کے، فاسد ہونے پر، اس کے اعادہ کا وجوب، عند الحنفیہ اصول و قواعد سے ثابت ہے، جس کے تحت فاسد شدہ تراویح کی نماز بھی داخل ہے، لہذا اس کو عند الحنفیہ لوٹانے کا حکم مسلم ہوگا، جیسا کہ اگر کوئی فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جانے والی سنت مؤکدہ کو شروع کرنے کے بعد فاسد کر دے، تو اس کا اعادہ واجب ہوتا ہے، اسی طرح تراویح کا حکم بھی ہوگا۔

اور تراویح چونکہ دو، دو رکعات کی نیت سے الگ الگ پڑھی جاتی ہیں، اور جو ”شفعہ“ شروع کر کے فاسد کر دیا جائے، اس کا اعادہ عند الحنفیہ واجب ہوتا ہے، تو اس اصول کی رو سے تراویح کے جتنے ”شفعات“ کو فاسد کر دیا جائے گا، اتنے ”شفعات“ کا اعادہ واجب ہوگا۔ اور ”رد المحتار“ میں ہے کہ:

(فروع) شکواہل صلوات تسع تسلیمات أو عشرًا یصلون تسلیمة أخرى

فرادی فی الأصح للاحتیاط فی إکمال التراويح والاحتراز عن التفل

بالجماعة، وكذا لو تذكروا تسلیمة بعد الوتر عند ابن الفضل. وقال

الصدر الشهيد يجوز أن يقال تصلى جماعة وهو الأظهر لأنه بناء على القول المختار في وقتها، ولو سلم الإمام على رأس ركعة ساهيا في الشفع الأول ثم صلى ما بقى قيل يقضى الشفع الأول فقط لصحة شروعه فيما بعده، وقيل يقضى الكل لأن سلامه الأول لم يخرج من حرمة الصلاة لكونه سهواً، وكذا كل سلام بعده يكون سهواً مبنياً على السهو الأول فقد ترك القعدة على الركعتين في الأشفاع كلها ففسد بأسرها إلا إذا تعمد السلام أو فعل بعده ما ينافي الصلاة أو علم أنه سها، وتاممه في شرح المنية ويظهر لي أرجحية القول الأول لأن سلامه وإن لم يخرج من تكبيره على قصد الانتقال إلى الشفع الآخر يخرج عن الأول ثم رأيت في الحلية قال إنه الأشبه (رد المحتار على الدر المختار، ج ۲، ص ۳۵، ۳۶، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

مذکورہ عبارت میں علامہ شامی نے جو وتروں کے بعد مشکوک، متروک نماز تراویح کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کو ”اظہر“ قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ مختار قول کے مطابق اپنے وقت میں پڑھی جا رہی ہے، جس سے ظاہر ہوا کہ وقت گزرنے کے بعد جماعت سے نہیں پڑھی جائے گی۔

اور ”حلی کبیر“ میں ہے کہ:

(ولو تذکروا تسليمة) كانوا قد سهوا عنها فتذكروها (بعد) ما صلوا (صلاة الوتر) اختلف المشايخ في أنهم هل يصلون بتلك التسليمة بجماعة أو منفردين (قال الشيخ الإمام أبو بكر) محمد بن الفضل (لا يصلون) تلك التسليمة (بجماعة) لأنها فاتت عن محلها، والجماعة انما شرعت في التراويح، اذا كانت في محلها (وقال صدر الشهيد يجوز أن يقال تصلى) تلك التسليمة (بجماعة) لأن وقتها باق، لانه الليل كله بعد العشاء، وبعد الوتر، وقبله سواء، وعلى المختار، كما تقدم، وقوله يجوز أن يقال إشارة إلى أنه لا رواية عن الأئمة في هذه المسئلة، وانما هو

اختیار من المتأخرین بناء علی ما قلنا ، والاظهر قول الصدر لانه بناء علی
القول المختار فی وقتها (حلی کبیر، ص ۴۰۹، کتاب الصلاة، التراویح، مطبوعہ:

سہیل اکادمی، لاہور، الباکستان)

مذکورہ عبارت میں وتروں کے بعد، بھول کر چھوٹی ہوئی تراویح کو جماعت کے ساتھ پڑھنے
کے قول کی یہ دلیل بیان کی گئی ہے کہ اس کا وقت باقی ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ اگر تراویح کی کوئی رکعت فاسد ہوگئی، تو وقت گزرنے کے بعد، اس کی
حیثیت مشروع تراویح کی نہیں رہتی، بلکہ شروع کر کے فاسد کرنے کی جہت سے، ذمہ
میں اعادہ واجب ہوتا ہے، اور وہ چونکہ تطوع نماز تھی، جس کی جماعت اپنے وقت میں ہی
مشروع تھی، لہذا فاسد شدہ تراویح کے وقت گزرنے کے بعد اعادہ کرنے کی صورت میں
عند الحفیۃ اس کو انفرادی طور پر پڑھا جائے گا۔

وَاللّٰهُ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

محمد رضوان خان

15 / رمضان المبارک / 1441ھ / 09 / مئی / 2020 بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان